انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن نے بالغون کی تعلیم کے لئے ایسی اردو ریڈرون کا سلسلہ شروع کیا ہے جس مین زبان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ پڑھنے والون کے معلومات مین اضافہ کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اس کا پہلا حصہ آسان اردو کے نام سے پہلے شائع ہو چکا ہے، سلیس اردو اس کا دوسرا حصہ ہے، اس مین ممتاز اہلِ قلم کے آسان معلوماتی مضامین، اخلاقی کہانیان اور مفید نظمین جمع کردی گئی ہین، اخلاقی کہانیان بہت اچھی ہین، گو یہ رسالہ بالغون کے لئے لکھا گیا ہے، لیکن نابالغون کے لئے بھی ویسا ہی مفید ہے،

منتخب داغ حصہ اوّل و دوم جناب احسن مارہروی مرحوم تقطیع بڑی ضخامت ،، ۴۸ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد صہ رتبہ :- مطبع انوار احمدی الہ آباد،

متقدمین مین میرؔ اور متاخرین مین داغؔ کا کلام اتنا صاف سادہ اور سلیس ہے کہ اس کا بڑا حصہ معمولی خواندہ بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہین، داغؔ کے شاگرد رشید جناب احسن مارہروی مرحوم نے ان کے کلام سے ایک ایسا انتخاب کیا تھا، جو فارسی عطف و اضافت سے خالی ہو، لیکن ان کی زندگی مین اس کی اشاعت کی نوبت نہین آئی، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ جناب سعید مارہروی نے اس کو شائع کیا ہے، انتخاب کے شروع مین مولف مرحوم کے مختصر حالات اور ان کے قلم کا لکھا ہوا مقدمہ ہے، جس مین داغؔ کی شاعری پر مختصر تبصرہ اور اس پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، اس کے جوابات ہین، اس کے بعد ،، ۴۸ صفحون مین اصل انتخاب ہے، انتخاب متفرق اشعار کا نہین ہے، بلکہ پوری پوری غزلین ہین، اس سے داغؔ کے کلام کی سادگی اور سلاست کا ثبوت ملتا ہے، دوسرے حصہ مین بے عطف و اضافت کے اشعار کا التزام نہین ہے، اسلئے حسنِ انتخاب کے اعتبار سے یہ حصہ پہلے سے بہتر ہے، یہ انتخاب ان معترضین کا مسکت جواب ہے، جو اردو شاعری کے تمام سرمایہ کو فارسی کا مثنیٰ سمجھتے ہین،

"م"

جلد ۴۹ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۳ء عدد ۳

مضامین

شذرات

عربی مصنفین کی تصنیفات اور عربی علوم وفنون کی کتابوں کی سب سے بڑی اور مستند فہرست کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ہے جو حاجی خلیفہ چلپی دسویں صدی ہجری کے ایک ترک عالم کی تصنیف ہے، یہ کتاب یورپ میں اور قسطنطنیہ میں پہلے چھپ چکی ہے، اور عربی کتابوں کے محققین اور اصحاب ذوق کے مطالعہ میں متداول ہے، لیکن افسوس ہے کہ یورپ اور قسطنطنیہ میں جو نسخہ چھپا تھا وہ غلط بھی تھا اور ناقص بھی، خوش قسمتی سے قسطنطنیہ ہی میں اس کا دوسرا کامل اور صحیح نسخہ اب دستیاب ہو گیا ہے، جس میں دال تک کا حصہ خود مصنف کے قلم کا مبیضہ ہے، اور باقی کے لئے مصنف کا مسودہ سامنے رکھا گیا ہے،

ترکی میں جب سے عربی حروف موقوف ہوئے ہیں، کسی عربی کتاب کی اشاعت کا موقع کم ہو گیا ہے، ان ہی کم موقعوں میں سے کشف الظنون کے اس نسخہ کی اشاعت ہے، محمد شرف الدین یالتقایا استاذ جامعۂ استنبول اور پروفیسر رفعت بیگ الکلیسی نے بڑی محنت سے اس جدید نسخہ کو مرتب کیا ہے، اور اس کی پہلی جلد جو حرف "د" پر ختم ہوتی ہے، اور جس کے ۵۴۰ صفحے اور ۹۴۰ کالم ہیں، چھپ کر ہندوستان آگئی ہے، قلمی نسخہ کے چند صفحوں کے فوٹو، مصنف کے حالات کے ۱۸ صفحے اور مقدمہ احوال العلوم کے ۸۰ صفحات شامل ہیں، نہایت عمدہ چھپائی کے ساتھ عمدہ کاغذ پر چھپی ہے، اہل علم کے لئے اس جدید نسخہ کی اشاعت نوید بشارت ہے، بقیہ دو جلدیں زیر طبع ہیں، اس بارہ میں خط و کتابت شرف الدین الکتبی والاد نمبر ۲۴۶ محمد علی روڈ بمبئی ۳ سے کی جائے،

جناب مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی کے انگریزی ترجمۂ قرآن مجید کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے، تاج کمپنی لاہور نے اب اس کا اشتہار اور نمونہ کے دو صفحے چھاپے ہیں، امید کہ وہ حضرات جو قرآن پاک کو تاویل و تحریف کے بغیر اس کو اس کی اصلی اسپرٹ میں پڑھنے کے شائق ہیں وہ اپنی درخواست تاج کمپنی کو (پوسٹ بکس ۲۵۲ ریلوے روڈ لاہور کے پتہ سے) جلد از جلد روانہ کریں گے، غالباً یہ ایک ایک پارہ کی صورت میں شائع ہو، اور ہر پارہ کی قیمت عار ہوگی، جو کاغذ کی موجودہ گرانی کے زمانہ میں اعتراض کے قابل نہیں،

کتاب رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہندی ترجمہ اس وقت الہ آباد میں ایک ہندی انشا پرداز کی نظر ثانی کے اندر ہے، اس کے واپس آنے کے ساتھ انشاء اللہ اس کی چھپائی شروع ہو جائے گی، مسلمانوں کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ احمد آباد میں ایک ہندو خاتون ودن مالا بہن نے جو زہری بھائی پریکھ گاندھی آشرم کے سکریٹری کی بڑی لڑکی ہیں، خود اپنے ذاتی شوق سے اس کا ترجمہ اردو سے گجراتی زبان میں کیا ہے، جو اب زیر طبع ہے،

اس کی بھی خوشی ہے کہ اب وہ اسلامیہ اسکولوں اور مکتبوں کے درس میں بھی شامل ہو رہی ہے، سرکار نظام کے محکمۂ تعلیمات نے اپنے ہائی اسکولوں اور کالجوں میں اس کی خریداری کی ہدایت کی ہے، امید ہے کہ بہت جلد اس کے دوسرے اڈیشن کی ضرورت پیش آئے گی،

جناب مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو کا کام جس تندہی، محنت اور جانفشانی سے کر رہے ہیں اس کے لئے ہر اردو بولنے والا ان کا ممنون ہے، اس عمر میں پورے ہندوستان میں جس طرح وہ دورے

کرتے ہیں، لوگوں سے ملتے ہیں، تجویزیں سوچتے ہیں، اُن کو عمل میں لاتے ہیں وہ سب پر ظاہر ہے، انھوں نے ادھر چند برسوں میں اس کی کوشش کی ہر کہ انجمن کی بنیاد کو اس طرح پائدار بنا دیں کہ آئندہ بھی وہ مضبوطی کے ساتھ کام کرتی رہے، اسی غرض سے وہ انجمن کے لئے دلی میں ایک مستقل عمارت بنوانا چاہتے ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے دوستوں سے قریبًا بیس ہزار روپے جمع کئے ہیں،
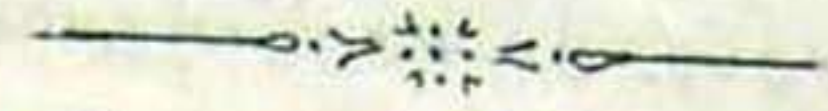
لیکن لوگوں کو یہ سنکر اور بھی خوشی ہوگی کہ موصوف اردو کی خدمت صرف قدمے اور قلمے نہیں کر رہے ہیں، بلکہ درمے بھی انجام دے رہے ہیں، چنانچہ موصوف نے انجمن کو ابھی پچاس ہزار روپے کی کثیر رقم اپنی ذاتی ملک سے ہبہ کی ہے، مسلمانوں میں غالبًا اپنی نوعیت کی یہ پہلی مثال ہے کہ کسی قومی خادم یا علمی خدمتگذار نے اپنی جسمانی و مادی خدمتوں کے ساتھ اتنی بڑی مالی اعانت کی توفیق پائی ہو، شاید یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ موصوف نے جو زن و فرزند کا جھگڑا نہیں پالتے، عمر بھر کی اپنی ساری کمائی اپنی متبنّی اولاد انجمن ترقی اردو کے حوالہ کر دی ہے، ہم موصوف کو ان کی اس جوانمردانہ سخاوت پر مبارکباد دیتے ہیں،
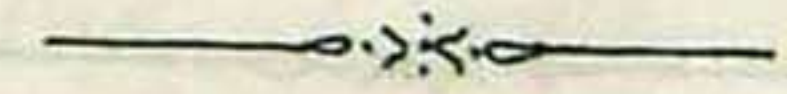
ادارۂ **معارف اسلامیہ** لاہور کا جو اجلاس دار المصنفین اور طلبائے قدیم ندوۃ العلماء کی دعوت پر ۱۷-۱۸-۱۹ مارچ ۱۹۴۲ء کو لکھنؤ میں ہو رہا تھا وہ بعض وجوہ سے ملتوی کر دیا گیا ہے،

مقالات

قرآن اور سیرت سازی

از ڈاکٹر میر ولی الدین پروفیسر فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

(یہ مقالہ حیدرآباد اکاڈیمی میں پڑھا گیا تھا)

شہ نیست کسے کہ تختِ عاجے دارد تا آنکہ نہ شاہانہ مزاجے دارد
یعنے کہ خروس پیشِ اربابِ شعور سلطان نشود اگرچہ تاجے دارد (درد)

دنیا کی سب سے زیادہ خوبصورت شے، سب سے زیادہ گران قدر اور عزیز شے پاک سیرت ہے! زندگی تربیت گاہ ہے، حق تعالیٰ مربّی و معلّم ہیں، واقعات و حادثات و آلات و ادوات ہیں جن کے ذریعہ وہ ہماری سیرت کی تکمیل کر رہے ہیں، دنیا کی "روح ساز" وادی میں کبھی غم کے مضراب سے اور کبھی خوشی کے تاروں سے سیرت ہی کے خفتہ نغمے بیدار کئے جاتے ہیں، زندگی کی غایت ہی یہ نظر آتی ہے کہ سیرت کو سنوارا جائے، پختہ کیا جائے، کامل بنایا جائے، کیوں؟ اس لئے کہ سیرت ہی پر دنیوی کامیابی کا انحصار ہے، سیرت ہی پر فوزِ آخرت کا مدار ہے، دین و دنیا کی اصلاح سیرت ہی کی اصلاح سے ہو سکتی ہے، سیرت ہی پر جسمانی اور روحانی صحت مبنی ہوتی ہے اور بر دقلبی اور طمانیت خاطر پاک سیرت ہی کا نتیجہ ہے! بنی آدم کا اکرام "سیرت" ہی کی پاکی کی وجہ سے ہوتا ہے، جو انسان پاک سیرت نہیں، وہ صورۃً گو انسان ہے لیکن حقیقۃً وہ حیوان ہے؛

یا دیو ہے یا غول ہے، "شیاطین الانس" مین اس کا شمار ہے، وہ دنیا، دین اور آخرت کی حقیقی اقدار سے محروم ہے!

سیرت، علماے نفسیات کی باریک بین اور دوررس نگاہ مین، ان تیقنات، عادات ومیلانات کا مجموعہ ہے، جو فرد کے کردار کی رہنمائی کرتا ہے، اس کو دوسرون سے متمیز کرتا ہے، اور اسکی وحدتِ کردار کا باعث ہے، ہر فرد دوسرے فرد سے متمیز ہوتا ہے، صورت مین اور سیرت مین، صورت کی غیریت تو حقیقی واقعی ہوتی ہے، یہ رفع نہین کیجا سکتی، اور نہ کوئی اسکو رفع کرنا چاہتا ہے، لیکن سیرت مین ایک قسم کی مماثلت ہوسکتی ہے، یہ مماثلت علینیت نہین انفرادیت ناقابلِ انکار ہے، باوجود مماثلت کے انفرادیت موجود ہوتی ہے، اور اس انفرادیت کا مبدأ انا اور اس کے وہ اقتضارات وقابلیات ہین، جو اپنا ظہور عادات وافعال مین کرتے ہین، اور اس تمام مجموعہ کو ہم نفسیات کی اصطلاح میں سیرت سے تعبیر کرتے ہین، سیرت افعال مین وحدت پیدا کرتی ہے، اور سیرت کے کامل علم کے بعد بڑی حد تک فرد کے افعال کی پیشین گوئی ممکن ہو جاتی ہی،

سیرت کی تحلیل مین ہمین اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے، کہ یہ عادات کی تنظیم کا نام ہے، عادت کی تشکیل افعال کی تکرار سے ہوتی ہے، افعال کا صدور بظاہر محرکات پر مبنی ہوتا ہے، لیکن محرکات کا ماخذ ومنبع وہ تیقنات واذعانات ہوتے ہین، جو انسان زندگی کے تجربات، ماحول کے اثرات، تعلیم اور دوسرے ذرائع سے حاصل کرتا ہی، علم ویقین عمل وعادت یہ وہ اہم عناصر ہین، جن مین سیرت کی تحلیل کیجا سکتی ہے، سیرت سازی کے طریقہ کو جاننے کے لئے ہمین ان ہی عناصر کی تحقیق کرنی ہوگی،

(۱) **علم ویقین**: اَلعِلمُ نُکتَۃٌ، سیرت سازی کے لئے صرف ایک نکتہ کا وجدانی اجمالی علم کافی ہی، پھر عقلی طور پر اسکی تفصیل وتوضیح مین دفاتر رنگے جا سکتے ہین ؎

دل گفت مرا علم لدنی ہوس است | تعلیم کن گرت بدین دسترس است
گفتم کہ الف، وگر گفتم ہیچ | در خانہ اگر کس است یکحرف بس است

(شیخ عزالدین محمود الکاشی)

وہ وجدانی علم، علم لدنی، حق تعالیٰ کی اُلوہیت کا اقرار ہے، اسی اقرار کی مضبوط چٹان پر سیرت کی مشیّد عمارت تعمیر کیجا سکتی ہی، اس اقرار کے تضمنات پر غور کرو؛ جب مین ایمان و اذعان کی شاہانہ قوت سی حق تعالیٰ کے الٰہ ہونے کا اقرار کرتا ہون تو سب سے پہلے مین یہ مان رہا ہون کہ حق تعالیٰ ہی معبود ہین، وہی عبادت یا پرستش کے قابل ہین، عبادت کیا ہے، یہ غایتِ تذلل کا نام ہے، اظہارِ ذلت کا نام ہے، میرا یہ سر اگر جھک سکتا ہے، تو بس میرے خالق، میرے مولیٰ، میرے مالک وحاکم ہی کے سامنے جھک سکتا ہی، اور غیر کے سامنے ہرگز نہین جھک سکتا! اظہارِ ذلت کی وجہ کیا ہی؟ مین فقیر ہون، محتاج ہون، میرا معبود غنی ہی، قوت واقتدار سے متصف ہی، علم وحکمت سے موصوف ہے، رب ہی، پالنے والا ہے، مستعان ہے، مدد کرنے والا ہے، استعانت ہی کی خاطر مین اس کے سامنے اظہارِ ذلت کرتا ہون، اور جانتا ہون کہ سارا عالم فقیر ہے، اور میرا معبود ہی صرف غنی وحمید ہے، مین اس کا فقیر ہو کر سارے عالم سے غنی ہون، میرا یہ احساس کہ مین اُس شہنشاہ کا دریوزہ گر ہون، جس کے دریوزہ گر سارے شاہ وگدا ہین، مجھے سارے عالم سے بے نیاز کر دیتا ہی، اور مین کفی باللہ وکیلا کہکر عبادت واستعانت کے نقطۂ نظر سے ماسوی اللہ سے کٹ جاتا ہون، اور فقر وذلت پابندگی کی نسبت اللہ ہی سے جوڑ لیتا ہون، اب کائنات کی بڑی سے بڑی قوت بھی میرے لئے نہ امیدون کا مرکز بن سکتی ہے، اور نہ خوف وہراس کا سبب، ان سب کا فقر، ان سب کی ذلت ومجبوری، بیچارگی وبے بسی میری نظرون مین اتنی ہی آشکارا وہویدا ہو جاتی ہے، جتنی کہ

خود میری بیکسی و مجبوری، ہم سب عبد ہین، کوئی چیز اصالۃً ہماری نہین، فقر ہماری ذاتی صفت ہے
امانۃً چند روز کے لئے چند چیزین ہم کو دی جاتی ہین، نادانی سے ہم ان کو اپنی سمجھتے ہین، حقیقی مالک
کو بھول جاتے ہین، انہی کی محبت مین فریفتہ ہو جاتے ہین، حقیقی اقدار سے غافل ہو جاتے ہین،
ناگہان یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے، اور یہ ساری محبوب و مرغوب چیزین موت ہم سے چھین لیتی ہے،
اور پھر اپنے اصلی فقر و ذلت کے ساتھ ہم نادم و پشیمان اس جہان سے رخصت ہو جاتے ہین، تاکہ
اپنے اعمال کے اثرات کو، اپنے افعال کے نتائج کو، اپنے کردار کے اثمار و عواقب کو جو اس دنیا
مین بھی اپنی موجودگی کا مختلف رنگون مین ہمین احساس بخش رہے تھے، زیادہ نمایان زیادہ واضح
اور اجاگر طریقے سے دیکھین، اور حسرت و ندامت کی آگ مین جلین!

سیرت کی تعمیر اسی اساسی یقین پر ہوتی ہے، کہ حق تعالیٰ ہی معبود ہین جن کے آگے یہ
سراسر، جو ساری جہان کے مقابلہ مین معزز و مفتخر، بلند و بالا ہے، فقیرانہ شان سے جھک رہا ہے،
اور حیات و علم، رزق و فراخی، صحت و عزت، ہدایت و رشد کی استدعا کر رہا ہے، اور غیر متزلزل
یقین کے ساتھ کر رہا ہے، کہ حواس کی آنکھ چاہے جو تماشا دکھلائے، اور وہم چاہے جو مانے
اور منوائے، یہ ساری نعمتین حق تعالیٰ ہی دے سکتے ہین اور دیتے ہین، ان کے سوا نہ کسی مین
حول و قوت ہے، اور نہ فعل و اثر، "وما بکم من نعمۃ فمن اللہ"! صورتون سے جو ہم نے امیدین
باندھ رکھی ہین، صورتون کو جو ہم نے خوف کی چیزین سمجھ رکھی ہین، صورتون کے سامنے جو ہم
ذلت کا اظہار کر رہے ہین، اور صورتون کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہین، اور ان کو رب بنا
رکھا ہے، یہ کس قدر عظیم الشان دھوکا ہے، اس کے ضرر و اضلال کا پہلو کس قدر قوی ہے،
عزتِ نفس کی خونریزی کو دیکھو، اپنی ذلت و رسوائی کو دیکھو، اس کذب و افترا کے نتائج
پر غور کرو، فقیرون کے در پر سوال کرنے سے بھی کچھ ملا ہے، اس غریب کے ہان کیا رکھا ہے جو

دوسرون کو دے، امیدون کا خون ہونا لازمی ہے، حسرت و حرمان قطعی، جو بیچارہ اپنے
درد دکھ کو دفع نہ کر سکتا ہو، وہ تمہارے درد و غم کا کیا علاج کر سکتا ہے، وہ تمہارا مولیٰ و
رب کیسے ہو سکتا ہے، ہائے تم نے حقیقت کو چھوڑ کر سایہ کا تعاقب شروع کر دیا ہے، بیدار
کو چھوڑ کر مدہوش سے التجا کر رہے ہو، زندے کو چھوڑ کر مردے سے لپٹے ہوئے ہو، تمہارے
وہم نے تمھیں کس التباس مین مبتلا کر رکھا ہے!

بقولِ دشمن پیمانِ دوست بشکستی
ببین کہ از کہ بریدی و باکہ پیوستی!

معبود و مستعان صرف حق تعالیٰ ہی ہین، ذلّ و افتقار کی نسبت ان ہی سے ہمین جوڑنا
چاہئے، وہی ہماری امیدون کے مرکز ہین، ان ہی کی ناراضی سے ہمین خوف کرنا چاہئے،
ان چوب و سنگ یا گوشت و پوست کے جھوٹے خداؤن سے بندگی کی نسبت قطعاً توڑ لینی چاہئے،
ان سے نفع و ضرر کی توقع قطعاً چھوڑ دینی چاہئے،

تا چند گہ از چوب گہ از سنگ تراشی
بگذر از خدائے کہ بصد رنگ تراشی!

حق تعالیٰ کی معبودیت و ربوبیت پر یہ یقین، یہ ایمان، سیرت کا سنگ بنیاد ہے، اسی یقین کی
پرورش ہونی چاہئے، آلہہ باطلہ کی نفی، الٰہ حق کا اثبات قلب کی گہرائیون مین متمکن ہو جائے،
تحت الشعور نفس مین جاگزین ہو، رگون مین خون کی طرح دوڑ جائے، علم الیقین کے مرتبہ سے
گزر کر حق الیقین کے درجہ تک پہونچ جائے، متحقق ہو جائے تو پھر ایسی شخصیت کی تخلیق ہوتی
ہے، جس کا مقابلہ کائنات کی کوئی قوت نہین کر سکتی، وہ بفحوائے تخلقوا باخلاق اللہ خلقِ
الٰہی سے مزین ہوتا ہے، تمام صفاتِ رذیلہ سے پاک اور تمام اوصافِ حمیدہ سے آراستہ و

پیراستہ ہوتا ہے، کامل عبد ہوتا ہے جس سے بہتر، جس سے زیادہ مقدس دنیا مین کوئی شے نہین ہوتی!

توحید معبودیت کی رو سے حق تعالیٰ ہی مالک و حاکم قرار پاتے ہین، اور مستحقِ عبادت ٹھہرتے ہین، ہمارا سر حقیقی مالک و حاکم ہی کے سامنے جھکتا ہے، جس کے آگے ساری کائنات سرنگون ہے، طوعاً و کرہاً اور توحید ربوبیت کی رو سے حقیقی فاعل حق تعالیٰ ہی قرار پاتے ہین، وہی خالق ہین، وہی نافع و ضار ہین، وہی زندہ کرتے ہین اور مارتے ہین، ہمارا ہاتھ ان ہی کے آگے دراز ہوتا ہے، اور انہی سے ہم مدد و اعانت کیلئے درخواست کرتے ہین، غنی کی فقیری ہمین ساری کائنات سے بے نیاز اور غنی کر دیتی ہے!!

دیکھو توحید معبودیت و ربوبیت کا سبق دیکر عرب کے امی معلم (فداہ ابی و امی) نے اپنے متبعین کو صفاتِ رذیلہ سے کس طرح پاک اور صفاتِ حمیدہ سے کس طرح مزین کر دیا تھا، صفاتِ رذیلہ جس سے تمام علمائے اخلاق قلوب کا تزکیہ چاہتے ہین، اس رباعی مین یون ادا کئے گئے ہین:-

خواہی کہ دلت شود صاف چو آئینہ — دہ چیز برون کن از درونِ سینہ
حرص و حسد و بخل و حرام و غیبت — کذب و غضب و کبر و ریا و کینہ

دیکھو ان صفاتِ قبیحہ سے قلب کا تزکیہ سقراط کے "طرزیات"، افلاطون کے "مکالمات"، ارسطو کے "اخلاقیات" اور جدید فلسفیون کے عالمانہ "خطبات" کے بغیر پڑھے اور سمجھے صرف لا الٰہ الا اللہ کے مختصر جملہ کو ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے کس آسانی سے ہو جاتا ہے!

جب تک انسان دولت کو اپنی ملک سمجھتا ہے، خود ہی کو اس کا مالک جانتا ہے، نہ حرص کا اس کے قلب سے تسلط اٹھ سکتا ہے اور نہ بخل و حسد کا، جون ہی اوس نے سچے دل سے توحیدی

کا اقرار کیا، اور یہ مان لیا کہ لہٗ ما فی السماوات و ما فی الارض و ما بینہما (اللہ ہی کے لئے ہے سارے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے) تو اس نے اپنی مالکیت و حاکمیت کی نفی کی اور حق تعالیٰ کی مالکیت و حاکمیت کا اثبات کیا، حقیقی مالک و حاکم و متصرف حق تعالیٰ کو جانا، اور اپنی ذات کو محض "امین" سمجھا، اب اسکی سمجھ مین یہ بھی آگیا کہ حقیقی مالک ہی کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے، امین امانت کی شرائط کے تحت ہی تصرف کا اختیار رکھتا ہے، اگر دولت پر جو اس وقت اس کی امانت مین ہے، کوئی آفت آجاتی ہے، تو وہ بحیثیت امین اس کو بچانے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے، اگر بچ نہ سکے، تو جانتا ہے، کہ مالکِ حقیقی امانت کا استرداد چاہتا ہے، اور بخوشی وہ اپنی امانت حوالہ کر دیتا ہے، اس طرح نہ اس کے جانے کا اس کو رنج ہوتا ہے، اور نہ اُس کے آنے کی خوشی، اور اس کا قلب ان اختلال پیدا کرنے والے تاثرات سے پاک اور آزاد رہتا ہے، اور وہ ع: "یک دل داری بس است یک دوست ترا" کہہ کر حق تعالیٰ ہی کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے، اور ایک دم رنج و غم، پریشانی و پشیمانی کے تمام احساسات و جذبات سے حقیقی معنی مین نجات حاصل کر لیتا ہے، ایسے ہی خوش قسمت کی ذہنیت کو ان الفاظ مین پیش کیا گیا ہے،

لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا — تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور شیخی نہ کرو
بِمَآ اٰتٰکُمْ، (پ ۲۷، ع ۱۹) — اس پر جو تم کو اس نے دیا،

ان اصول کو سمجھ لینے کے بعد غور کرو کہ وہ شخص حریص کیسے ہو سکتا ہے، جو مال و دولت کا حقیقی مالک حق تعالیٰ کو سمجھتا ہے، اور ان احمقون کو جو اپنے ذات کو مالک سمجھ رہے ہین، مخاطب کر کے کہتا ہے،

گمان مبر کہ زر و سیم دادہ اند ترا — ودیعت است کہ داری بدست روزے چند
چہ سود گر بشوی غرہ بر متاع کسے — چو موش بر سر دکانِ روستا خرسند!

حرص کے ساتھ بخل وحسد کی بھی جڑین کٹ جاتی ہین، جب مال و دولت ودیعت و امانت ہین، اور وہ بھی چند روزہ امانت، موت کے وقت یہ ہم سے واپس لے لی جاتی ہے، اور دوسرون کے حوالہ کیجاتی ہی، تو پھر اس علم کے بعد ہماری ذہنیت اس چوہیا کی طرح کیسے رہ سکتی ہے، جو بنیے کی دوکان کی ساری چیزون کو اپنی سمجھتی ہے، اور اپنے ہی کو مالک و متصرف جان کر بخل و حرص کا شکار بنتی ہے، غیر کے مال مین بخل بے معنی ہے، بخل ہوتا ہی اپنے مال مین، مال اپنا نہین، پھر بخل کیسا؟ حرص کی بنیاد ہی اس خیال پر قائم ہے کہ مالک ہم ہین، حقدار ہم ہین، ہم کو نہین مل رہا ہے دوسرون کو مل رہا ہی، ہم کو کیون نہ ملے! جب مال میرا ہے نہ تیرا بلکہ مالک حقیقی کا تو حسد کس پر؟ حسد، حرص اور ان کے لازمی نتائج ہم و غم، درد و حزن، رنج و الم نتیجہ ہین خیانت فی الامانت کا، یعنی شرک کا، جون ہی شرک کی جڑین قلب سے لاالہ الا اللہ کے ذریعہ اکھاڑ کر پھینک دی گئین، اور اس کی بجائے توحید جلوہ افروز ہو گئی، انسان ان تباہ کن جذبات کے چنگل سے نجات پا جاتا ہے حقیقی آزادی کا لطف اٹھاتا ہے، سکون و برد قلبی کی دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے!

کبر و فخر و عجب کی اس قلب مین گنجایش ہی کہان جو اپنے کو حاکم نہین محکوم، مالک نہین مملوک، رب نہین مربوب، مولی نہیں عبد سمجھتا ہو، اپنی محکومیت و مملوکیت کا یقین جو موحد کے دل کی گہرائیون مین جاگزین ہی، فخر و غرور کے جذبات کو پیدا ہونے نہین دیتا، اسکی عضویت اس زہر کو قبول کرنیکی صلاحیت یا استعداد ہی نہین رکھتی،

اب توحید فی الربوبیت کے قیام کے آثار پر غور کرو، جب تم نے فاعل حقیقی حق تعالیٰ کو مان لیا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے قائل ہو گئے، نافع و ضار فی الحقیقت انہی کو سمجھنے لگے، تو خوف و حزن سے تم نے رستگاری حاصل کر لی، غیر کو نافع و ضار قرار دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تم کو اس سے نفع پہونچنے کی امید ہوتی ہے، اور اس امید کی شدت حزن و غم کو ضروری طور

پیدا کرتی ہی، اس سے ضرر کا اندیشہ تمھارے سینہ کو خوف سے بھر دیتا ہے، جونہی تم نے وہم کے اس بت کو توڑا، اور حق تعالیٰ کی اس تنبیہ کو یاد کیا، کہ

وَلَا تَدْعُ مِن دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنفَعُكَ	اللہ کے سوا کسی کو مت پکار، ایسے کو نہ
وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا	بھلا کرے تیرا اور نہ برا، پھر اگر تو ایسا
مِّنَ الظَّالِمِينَ. (پ ۱۱ ع ۱۶)	کرے، تو تو ہو جائے گا ظالمون مین

غیر اللہ کی ربوبیت تمھارے قلب سے فنا ہو گئی، نفع کی امید، ضرر کا خوف تمھارے سینہ سے جاتا رہا، اور حزن و خوف سے تم نے ہمیشہ کے لئے نجات پالی،

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا	مقرر جنھون نے کہا کہ رب ہمارا اللہ
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ	ہے، پھر ثابت قدم رہے، تو نہ ڈر ہو
(پ ۲۶ ع ۲)	ان پر اور نہ وہ غمگین ہون گے،

ربوبیت پر جہان تم نے استقامت پیدا کر لی کہ دنیا اور زندگی کے متعلق تمھارا سارا نقطۂ نظر بدل گیا، نقطۂ نظر کا بدلنا تھا، کہ زمین و آسمان بدل گئے، ؎

چون برخیزد خیال از چشم احول — زمین و آسمان گردد مبدل

ایک وہم تھا خیال تھا، جس نے تمھین خوف و حزن کی زنجیرون مین جکڑ رکھا تھا، اب تم نے اس خیال کی تصحیح کی، ذہنی صحت تمھیں حاصل ہوئی، نور کی طرف تم نے اپنا منہ کر لیا، اور تمھاری روح اپنے خالق و حاکم کو مخاطب کر کے چیخ اٹھی،

اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَ	اور مین نے اپنی جان تیرے سپرد کی اپنا
وَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ	منہ تیری طرف کیا، اپنے کام تیرے حوالے
اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ	کئے، اپنی پیٹھ تیرے سامنے جھکا دی ہے

الیک رغبۃً ورھبۃً الیک — فضل کی امید مین اور تیری ناراضی سے

لا ملجاء ولا منجاء منک — ڈر کر، میری پناہ اور نجات کا مرکز

الا الیک[1] — تو ہی ہے"!

اس اقرار ربوبیت کے ساتھ ہی، تم نے اپنے قلب مین طمانیت وراحت محسوس کی، اعتماد ویقین نے خفتہ توتون کو جگایا، سارا عالم تمھین نفع وضرر سے خالی، تمھارے ساتھ تعاون عمل کے لئے تیار، تمھارا رفیق وخادم نظر آنے لگا؛ زندگی کے راستہ مین تمھارے قدم بے باک انداز مین اٹھنے لگے، تمھارا سینہ کینہ سے پاک ہوگیا، کیونکہ تمھارا یہ وہم دور ہوگیا، کہ سوائے حق تعالیٰ کے ضرر اور نقصان پہنچانے والا درحقیقت دوسرا کوئی ہوسکتا ہے، جو اس کی آنکھ جس کو دشمن بے رحم دیکھ رہی تھی، ایمان کی آنکھ اس کو حق تعالیٰ کا فرستادہ تبلا رہی ہے، اور سعدیؒ کے پُراثر الفاظ مین کہہ رہی ہے،

چون دشمن بے رحم فرستادہ اوست — بدعہدم اگرنہ دارم این دشمن دوست

اسی وقت غیظ وغضب سے بھی تمھارا نفس پاک ہوگیا، دوست پر غضب کیسا؟ اس یقین کے بعد کہ ہر آفت ہر مصیبت سیرت کے کسی نقص کو رفع کرنے آتی ہے معلم حقیقی کی طرف سے ایک تنبیہ ہے، جو ہمین اپنے نقائص وذمائم کی طرف متوجہ کرتی ہے، ان کی اصلاح کا موقع دیتی ہے، ہم کو ظلمت سے نکالتی اور نور کی طرف ہمارا رخ پھیر دیتی ہے، حق تعالیٰ سے جوڑتی اور نفس وشیطان سے توڑتی ہے؛ ہان پھر اس یقین واذعان کے بعد ہمارا سینہ غیظ وغضب کا محل کیسے بن سکتا ہے.؟!

---

[1] یہ اس حدیث کے الفاظ ہین جو صحاح ستہ مین موجود ہے، رواہ الجماعۃ عن البراء ابن عازب رسول اللہ صلعم سوتے وقت آخری چیز یہ پڑھتے تھے،

ریا جو خلق کے لئے اپنے اعمال کی تزئین ہے، اسی وقت ممکن ہو جب خلق کو نافع وضار سمجھا جائے، خلق سے توقعات وابستہ ہون، یا ضرر کا اندیشہ ہو، اس وہم کے دور ہوجانے کے ساتھ ہی، ریا کاری اور تصنع ونمایش کی جڑین کٹ جاتی ہین، عمل صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے جاری ہوجاتا ہے، حور وقصور کے لئے نہین رہتا، کیونکہ یہ بھی مخلوق ہین، اور مخلوق سے نہ راحت ہے اور نہ سرور وعزت اور نہ یہ مقصود بالذات!

کذب یا دروغ بافی کا محرک یا تو نفع کا حصول ہوتا ہے، یا ضرر کے دفع کا خیال، یا پھر خود بینی وخودستائی، کبر وفخر، عجب وریا، ہم نے اوپر دیکھا کہ ربوبیتِ حق ان صفاتِ ذمیمہ کا استیصال کس خوبی سے کرسکتی ہے، اسی لئے موحد کا قلب صداقت کا خزینہ ہوتا ہے، وہ وعدون کا پکا، قول کا سچا ہوتا ہے؛ "والموفون بعھدِ ھم اذا عاھدوا[1]" کا مصداق،

اسی طرح غیبت شرک فی الربوبیت کا نتیجہ ہے، غیبت کی وجہ یا تو عداوت ہوتی ہے جس کا محرک نقصان وضرر کا اندیشہ ہوتا ہے، یا حسد یا محض کذب سے حاصل ہونے والی شیطانی لذت، ربوبیت کا صحیح علم اور اوس پر یقین ان تمام ذمائم کی بے خطا دوا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ثابت کیا، غیر اللہ کو حقیقی نافع وضار قرار دے کر عداوت وبغض وحسد مین مبتلا ہون، اور غیبت نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتی ہے، خود آفریدہ التباس کو صحت علمی نے دفع کر دیا اور ان ذمائم کی گرفت سے قلب کو نجات ملی!

غرض تزکیہ نفس وتصفیہ قلب یعنی سیرت سازی کے لئے سب سے پہلے شرک فی المعبودیت اور شرک فی الربوبیت کی بیخ کنی ضروری ہے. لا کی شمشیر سے مالکیت حاکمیت اور ربوبیت ذوات خلق سے کاٹ دیجاتی ہے، اور الا سے اس کا اثبات ذاتِ حق مین کیا جاتا ہے، او

---

[1] پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کرین،

اس طرح اخلاقِ الٰہیہ سے آراستہ ہونے کی قابلیت اور استعداد پیدا کیجاتی ہے، اب مجاہدہ اور عمل اس مقصود کے حصول کے لئے ضروری ہین، اس کی توضیح مین چند مقامات کا پیشِ نظر رہنا لازمی ہے:

ابتدا مین ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ علم ہی سے عمل پیدا ہوتا ہے لیکن علم سے مراد محض نظری علم نہین لینا چاہئے، جو کانون کی راہ سے داخل ہوتا ہے لیکن قلب مین جاگزین نہین ہوتا اس لئے عمل کی صورت مین نمایان ہونے کی قوت نہیں رکھتا اور اس لئے منفعت بخش نہین ہوتا[1] علم کو ہماری مراد وہ یقین و اذعان ہے، جو قلب کی گہرائیون مین اپنا مسکن بناتا ہی، خون کی طرح تمام رگون مین دوڑتا ہے، دماغ پر کامل تسلط رکھتا ہے، اور لازماً عمل کی صورت مین نمودار ہوتا ہی ایسا یقین تفکر و تدبر یا مراقبہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی لئے تفکر کو عبادت سے افضل قرار دیا گیا ہی[2] تفکر و مراقبہ سے علم راسخ ہوتا ہے[3] مضبوط ہوتا ہے، تلوین جاتی ہے، تمکین رونما ہوتی ہے اور راسخ عقیدہ ہی عملاً اپنا خارج مین ظہور کرتا ہے، جب عمل کی تکرار ہوتی ہے، تو عادت پیدا ہوجاتی ہے، جو فطرت ثانیہ کہلاتی ہے، اب عمل کے لئے فکر و غور کی ضرورت باقی نہین رہتی غیر شعوری نفس عمل کی باگ اپنے ہاتھون مین لے لیتا ہے، مضائقت رفع ہوجاتی ہے، سہولت پیدا ہوجاتی ہے، سیرت قائم ہوجاتی ہے، اسی لئے کہا گیا ہے، ع

چند روز جہد کن باقی بخند

اب ہمین سیرت سازی کے دوسرے اہم عنصر مجاہدہ یا عمل و عادت کی طرف توجہ کرنی چاہئے،

---

[1] ایسے علم سے استعاذہ کیا گیا ہی، اعوذ بک من علمٍ لا ینفع و من قلبٍ لا یخشع [2] تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ (الدیلمی) و روی ابو شیخ من حدیث ابو ہریرہ [3] قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ و فرادیٰ ثم تتفکروا (۲۲ ع ۱۲) سے تفکر کا حکم صاف طور پر سمجھ مین آتا ہی،

(۲) مجاہدہ: پاک سیرت جس طرح بغیر صحیح علم اور عقیدے کے ممکن نہین، اسی طرح بغیر عملِ صالح اور مجاہدہ کے اسکی تمام خوبیون کا نمایان ہونا بھی ممکن نہین اسی لئے فرمایا گیا، جاھدوا فی اللہ حق جہادہ[1] اور صحیح عقیدہ مجاہد ہی کی چشم بصیرت افروز کے سامنے نیکیون کی تمام راہین کھول دیجاتی ہین، والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[2] اب ہمین مجاہدہ کی ماہیت اور اس کے طریقون کو سمجھ لینا چاہئے،

ذرا اپنے ذہن کے نہان خانہ کو تو دیکھو کہ کیا یہ ایک لحظہ خیالات، تصورات، خواطر اور وساوس سے خالی بھی رہتا ہے؟ علم کا ایک دریا ہے، کہ امڈا چلا آرہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ایک لاتنناہی مبدأ سے نکل رہا ہے اسکی ماہیت و نوعیت پر غور کرو تو ظاہر ہوتا ہی کہ اخلاقی نقطۂ نظر سے یہ یا تو ہدایتی علم ہے یا اضلالی، اسکی آمد کسی طریقہ سے روکی نہین جاسکتی؛ کونسی قوت اس کو روک سکتی ہے؟ کسی خیال کو محض ارادہ کی قوت سے پیدا نہ ہونے دینا بشری طاقت سے باہر ہے، خیالات آزادی کے ساتھ ایک نامعلوم منبع سے ظہور کرتے ہین، اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ انسان نہ ان کے پیدا کرنے پر قادر ہے اور نہ اُن کے فنا کرنے پر، لیکن انسان کو اتنی طاقت دی گئی ہے کہ اپنی توجہ اضلالی علم کی طرف سے ہٹا کر ہدایتی علم کی طرف مبذول کردے یا نفسیاتی اصطلاح میں یون کہو کہ سلبی خیالات کو ایجابی خیالات مین بدل دے، یہی مجاہدہ کی ماہیت ہی: ذہن مین سلبی یا اضلالی خیال غیر اختیاری و اضطراری طور پر پیدا ہو رہا ہے، اب یہ میرے اختیار مین ہی کہ مین اس خیال کو گلے سے لگاؤن، پیار کرون، قلب کے میدان مین تخت بچھادون اور اس کو معزز مہمان کی طرح عزت و وقار سے بٹھادون یا یہ کہ اس کے ذہن کے دروازہ

---

[1] مجاہدہ کرو اللہ کے واسطے جیسا کہ چاہئے اس کے واسطے مجاہدہ کرنا (پ ۱۷ ع ۱۰) [2] جنھون نے ہمارے واسطے مجاہدہ کیا ہم ان کو اپنی راہین سمجھا دین گے، (پ ۲۱ ع ۳)

سے سر نکالتے ہی اس کے مقابل ہدایتی یا ایجابی خیال کو اس کی سرکوبی کے لئے لے آؤن، اور نور کی قوت کو ظلمت کی طاقت سے لڑادون، ظاہر ہے کہ نور و ظلمت کے مقابلہ مین نور ہی کامیاب ہوگا، کیونکہ ظلمت نور ہی کے غیاب کا تو نام ہے، نور ہی کے عدم سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، جہان نور ہو وہان ظلمت کیسے چھا سکتی ہے، ! مجاہدہ حق تعالیٰ ہی کی حول و قوت سے اضلالی علم کی بجائے ہدایتی علم پر عمل کرنے کی نام ہے، اضلالی خیالات کے ذہن مین خطور کرتے ہی مجاہد کی روح خیر کے مبدا کی طرف استعانت کے لئے متوجہ ہو جاتی ہے، استعاذہ کرتی ہے، پناہ مانگتی ہے، اپنی محدود قوت پر بھروسہ نہین کرتی، اپنی بیچارگی سے واقف ہوتی ہے، لامتناہی قوت کے آستان پر تیزی کے ساتھ پہونچ جاتی ہے، اور یہ چیخ اٹھتی ہے:

سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزة والجبروت سبحان الحی
الذی لا یموت اعوذ بعفوك من عقابك واعوذ برضاك من سخطك
واعوذ بك منك جل وجهك[1]

اور یہ لامتناہی عزت و جبروت، یہ لامحدود ملک و ملکوت والا آقا ہم سے دور نہین، وہ جو بالذات ہے جہان مین موجود ہر جگہ" ہمارے پاس ہی تو ہے، رگِ جان سے زیادہ قریب ہے" ہمارا زما نزدیک تر"! وہ الغیاث کی اس پکار پر شان رحمت کے ساتھ متوجہ ہو جاتا ہے، اور اس کی تجلی کے ساتھ ہی قلب کے ضرر و اضلال سے پوری حفاظت ہو جاتی ہے! یا نفسیاتی اصطلاح مین یون کہو کہ سلبی خیال کی جگہ ایجابی خیال لے لیتا ہے، اور شر کا صدور ہی نہین ہونے پاتا!

نفسیات کے اس مسلمہ قانون کو یاد کرو جس پر اس مقالہ کی بنیاد قائم ہے، کہ افکار ہی سے اعمال کا صدور ہوتا ہے، اعمال ہی کی تکرار سے عادت کا قیام ممکن ہے، اور عادات کی

[1] یہ اس حدیث کے الفاظ ہین جس کو حاکم نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہو۔

تنظیم و ترتیب سے سیرت کی تشکیل ہوتی ہے، مجاہدہ سلبی یا بدیا اضلالی خیالات کا گویا دروازہ ہی پر مقابلہ ہے، جونہی ان خیالات نے کتم عدم سے سر نکالا، ان کے مقابل کے ایجابی یا نیک یا ہدایتی خیالات نے اُن سے ٹکر لی، اپنی محدود و کمزور قوت سے ان کا مقابلہ نہین کیا، بلکہ لامتناہی قوت و جبروت کے مبدا سے اخذ فیض کیا، اور اس طرح بے پناہ طاقت کے ساتھ ان پر ضرب لگادی، اور ان کا قلع قمع کر دیا، جب عمل ہی کا صدور اس طرح روک دیا گیا، اور ابتدا ہی مین روک دیا گیا، تو تکرار کی نوبت ہی کہان، عادت کا قیام کس طرح ممکن اور سیرت بد کی تشکیل کا کیا ذکر، ! یاد رکھو کہ فاسد خیالات کو قوت اس وقت ملتی ہے، جب وہ تخیل کے دروازہ سے خانۂ قلب مین داخل ہو جاتے ہین، اور یہ داخل اسی وقت ہو سکتے ہین، جب دربانِ قلب غفلت کی نیند سو رہا ہو، چوکس نہ ہو، ہوشیار اور خبردار نہ ہو، یا پھر اپنی حول و قوت سے ان کا مقابلہ کرنا چاہے! اس صورت مین معلوم ہوتا ہے، کہ ان کا زور مرد افگن ہے! ان سے مقابلہ بچون کا کھیل نہین، یہ بڑے سے بڑے پہلوان کو آسانی سے پچھاڑ سکتے ہین، ان کے داؤن پیچ سے بہادر سے بہادر بھی پناہ مانگتے ہین ان سے مقابلہ کی ایک ہی صورت ہے، ان کے ورود کے وقت ہی انھین پچھاڑا جائے، سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے، اور حق تعالیٰ کی حول و قوت سے ان کا سامنا کیا جائے، اللّٰھم اعذنی من شر نفسی[1] کی فریاد فوراً بلند ہو، اعوذ بك منك کی چیخ فوراً نکلے، پھر شکست ناممکن ہے، کامیابی قطعی ہے، حق تعالیٰ کی پناہ مین اگر مغلوبیت کیا معنی رکھتی ہے، ناکامی کیا چیز ہے، ان کی معیت کے ساتھ ہی، بلندی نصیب ہوتی ہے، انتم الاعلون واللّٰہ معکم[2] کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے!

[1] اے اللہ میرے نفس کے شر سے مجھکو پناہ دے،
[2] تم ہی رہوگے غالب اور اللہ تمھارے ساتھ ہین (۲۶ ع ۸)

یہی نفسیاتی الہیاتی طریقہ بدعادات کی شکست میں بھی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے، بدعادت سے مراد کوئی عادت ہے، جو ہمارے اختیار و تصرف میں نہیں، بدعادت کی غلامی تباہ کن نتائج پیدا کرتی ہے، بدعادت کا غلام دنیا میں نہ کامیاب ہوسکتا ہے، اور نہ برد قلبی اس کو نصیب ہوسکتی ہے، چونکہ افعال ہی کی تکرار سے عادت بنتی ہے، اور افعال کا محرک ہمیشہ خیال یا تصور ہوتا ہے، لہذا بدعادت کی شکست خیال کی تبدیل پر منحصر ہے، عادت کے قائم ہوجانے پر فعل کے ارتکاب کی ایک طبعی خواہش ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی اس خواہش کی تکمیل کا خیال پیدا ہوتا ہے، ممکن ہے کہ خواہش پر ہمارا قابو نہ ہو، لیکن خیال ہمارے تصرف میں آسکتا ہے، اگر خیال کا صحیح طریقہ سے مقابلہ کرلیا جائے، تو خواہش بھی مغلوب ہوجاتی ہے مثال کے طور پر شرابی کی حالت پر غور کرو، اس کو شراب کی خواہش ہوتی ہے، اور یہ خواہش یہ خیال پیدا کرتی ہے، کہ چل کر پینا چاہئے، خیال کا کامیابی سے مقابلہ کرنے پر خواہش کے اشتداد میں کمی ہوتی جاتی ہے، ایک مرتبہ کا مقابلہ دوسرے دفعہ کے مقابلہ کو آسان تر بناتا ہے، اور مجموعی نتیجہ حیرت خیز ہوتا ہے، یہی معنی ہیں اس قول کے کہ خدا ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں"۔

بہر طور بری عادتوں کے آہنی پنجہ سے رہائی اسی وقت ممکن ہے کہ خیال کے پیدا ہوتے ہی اس کا مقابلہ کیا جائے، اور اسی طریقہ سے مقابلہ کیا جائے جس کا اوپر ذکر ہوا، اگر اس کے باوجود ہمیں ناکامی کی صورت دیکھنی پڑے، تو ہمیں مایوس اور ناامید نہیں ہونا چاہئے، ان کے نزدیک یاس کفر ہے، گناہ کے ارتکاب کے بعد یا عادت بد کا پھر ایک مرتبہ (باوجود عزم راسخ کے کہ ایسا نہ ہوگا) شکار بننے کے بعد، جو ندامت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے، جو حزن و ملال کہ وہ محسوس کرتا ہے، وہ اس کے ارادوں کو مضبوط کرنے میں غیر محسوس طریقہ پر

مفید ہوتے ہیں، اور وہ وقت بہت جلد آپہنچتا ہے، جب وہ محض اسی طریقہ پر عمل پیرا ہوکر فاتحانہ شان سے اپنی خود ساختہ بیڑیوں کو توڑ کر ہمیشہ کے لئے آزاد ہوجاتا ہے! عارف رومی نے مجاہدہ کے اس اعتبار کو اپنے خاص انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے:

اندرین رہ می تراش و می خراش | تا دم آخر دمے فارغ مباش!

تا دم آخر دمے آخر بود | کہ عنایت با تو صاحب سر بود!

دوست دارد دوست این آشفتگی | کوشش بیہودہ بہ از خفتگی!

کارکے کن تو و کاہل مباش | اندک اندک خاک چہ رامی تراش!

چون زچاہے می کنی ہر روز خاک | عاقبت اندر رسی در آب پاک!

چون نشینی بر سر کوے کسے ! | عاقبت بینی تو ہم روے کسے!

بہرحال مجاہد ہمت سے کام لیتا ہے، حق تعالیٰ نے اس کو جو اختیار دے رکھا ہے اس کو استعمال کرتا ہے، اور عزم راسخ رکھتا ہے کہ جب تک گوہر مقصود ہاتھ نہ آئے، قلب کا تزکیہ، روح کا تجلیہ نہ ہوجائے، وہ دم نہ لیگا، اور حق مجاہدہ ادا کرے گا، ولولہ انگیز طریقہ سے ہر قدم پر وہ یہ گنگناتا جاتا ہے:

دست از طلب ندارم تا کار من برآید | یا تن رسد بجانان یا جان زتن برآید!

کامیابی و فتحمندی اس مجاہد کے ہاتھ چومتی ہے، کَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ کا وعدہ اس سے متعلق ہوتا ہے! ہدایت کے راستے کھل جاتے ہیں "لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کا قول پورا ہوتا ہے،

مجاہدہ بیوی بچوں کا چھوڑنا، راتوں میں کم سونا، فاقہ پر فاقہ کرنا، حقوق نفس کو تلف کرنے کا نام نہیں، مجاہدہ "حقوق نفس" کا ادا اور غیر شرعی "حظوظ نفس" کا ترک کرنا ہے، مجاہدہ

قلب کا تصفیہ ہو، روح کا تجلیہ ہے، اس کا بہترین طریقہ خیالات فاسدہ کا دماغ سے نکلنا ہے
جو شخص اپنے قلب و دماغ مین فاسد خیالات کے بجائے پاک خیالات کو سلبی افکار کے
بجائے ایجابی افکار کو جگہ دیتا ہے، وہ اعمال سیئہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے، اس کے لئے
امتثال مامور، اجتناب محظور اور رضا بمقدور آسان ہو جاتے ہین، جو عارفِ اعظم شیخ عبدالقادر
جیلانی رض کے الفاظ مین دین کا خلاصہ ہین[1]!

ایجابی خیالات مین سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے، جو سر چشمہ ہین تمام
محامد و محاسن کا، تمام خوبیون اور نیکیون کا، جو مبدء ہین طمانیت و سرور کا، علو و بلندی کا، قوت و عزت کا، اگر
تم اپنے قلب کو تمام سلبی خیالات سے خالی کر کے حق تعالیٰ کے خیال کو اس مین جمانے کی کوشش
کرو گے، تو چند روز مین پاؤ گے کہ یہ تمام صفات مقید پیمانہ مین تم مین خود ظاہر ہو رہی ہین، انفسیات
کا یہ عام قانون ہے، کہ آدمی جس چیز کے خیال اور دھن مین رہتا ہے، رفتہ رفتہ اسی کی خو بو اس مین
پیدا ہونے لگتی ہے، یا نفسیاتی زبان مین یون کہو کہ اس کا جو معروضِ فکر ہوتا ہے وہی وہ بھی
بن جاتا ہے! اس قانون کو جان کر اور مان کر تم ہرگز سلبی خیالات پر فکر و توجہ کو زیادہ
مرکوز نہ کرو گے، ایجابی خیالات ہی کو جمانے اور بسانے کی کوشش کرو گے، اب ہم عارف
روم کے الفاظ مین پوچھتے ہین، کہ حق تعالیٰ سے بہتر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے، جس سے تم
ایک لحظہ کیلئے حقیقی معنی مین خوش رہ سکتے ہو،

کیست زو بہتر بگو اے ہیچ کس   تا بدان دل شاد باشی یک نفس؟

اگر تمھین چشم بصیرت ملی ہے، اور تم عارف روم کے ساتھ اتفاق کرتے ہو تو پھر کیا
حق تعالیٰ کی دھن سے بہتر اور کسی کی دھن ہو سکتی ہے؟ اب دن کا زیادہ حصہ اسی دھن مین
گزار دو، گفتار کو چھوڑ کر اسی کا رنگ مین لگ جاؤ، رفتہ رفتہ جامی سامی نے جو کہا تھا، اسکا

[1] فتوح الغیب مقالہ اول

تم کو تحقق ہونے لگے گا ؎

گر در دلِ تو گل گزرد گل باشی   ور بلبلِ بے قرار بلبل باشی
تو جزوی و حق کل است گر روزے چند   اندیشۂ کل پیشہ کنی کل باشی

جو چیز تم کو خود تجربہ سے معلوم ہو جائے گی اس کا ذکر ہم کیا کرین، لیکن تحریض کے لئے
اتنا کہنا کافی ہے، کہ تم پر سرور اور فرح کے دروازے کھل جائین گے، "اطمینانِ قلب" جو دنیا
کی کسی چیز سے حاصل نہین ہو سکتا، وہ نقد دم ہو گا، اور اس آیہ کریمہ کا اپنی ذات کو مصداق پاؤ گے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي   اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا، پھر
إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً   چل اپنے رب کی طرف تو اس سے
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي   راضی وہ تجھ سے راضی، پھر شامل ہو میرے
(پ ۳۰ ع ۱۴)   بندون مین اور داخل ہو میری بہشت مین۔

نفس مطمئنہ کا حصول، رضائے الٰہی کا تحقق، جنت ذات مین دخول، یہ نتائج ہین اس
مجاہدہ کی تکمیل کے! جو لذت کہ حق تعالیٰ کی یاد مین ہے، جو مستی اس کی یافت و شہود سے حاصل
ہوتی ہے، اس کے مقابلہ مین لذاتِ جہان "ہیچ" ہین، جامی اس ذوق و مستی کو اس والہانہ انداز
سے ادا فرماتے ہین:-

کاے بلبلِ جان مست بیادِ تو مرا   وے پایۂ غم پست بیادِ تو مرا
لذاتِ جہان را ہمہ دریا فگند   ذوقیکہ دہد دست بیادِ تو مرا

حق تعالیٰ کی یاد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کا ذکر زبان پر جاری ہے، فاذکروا اللہ
ذکراً کثیراً پر عمل ہو، اٹھتے بیٹھتے یہی مشغلہ ہو، اس سے مقصود رضا و قرب الٰہی ہو، جب
تمھاری توجہ ذکر کی وجہ سے خرافاتِ دنیوی سے ہٹ کر ایک نکتہ پر مرکوز ہو گی، تو خود بخود

فاسد، سلبی پریشان کن خیالات اور وساوس کا دروازہ بند ہو جائے گا، اور جونہی خیالات کی پراگندگی موقوف ہوئی، ایک روحانی کیف و طمانیت سے تمہارا قلب مملو ہو جائے گا، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کے یہی معنی ہیں، ذکر کا قیام مشق اور مجاہدہ سے آہستہ آہستہ ہوتا جاتا ہے، اور ذہول و غفلت کا ارتفاع ہو جاتا ہے، اس دولت کے حاصل ہو جانے کے بعد تم تمام چیزوں سے غنی ہو جاتے ہو، نہ کسی چیز کے حصول سے تمہیں لذت ہوتی ہے، اور نہ کسی چیز کے ضائع ہونے سے رنج، لکیلا تاسوا علی ما فاتکم و لا تفرحوا بما اٰتاکم کے مصداق ہونے لگتے ہو، اللہ کو دیکھکر تمہیں کسی چیز کی خواہش نہیں رہتی، تم عارفِ روم کے الفاظ میں کہنے لگتے ہو:

روزہا گر رفت گو رو باک نیست
تو بمان اے آنکہ جز تو پاک نیست!

یاد کے قائم کرنے کا ایک اور آسان گُر ہم تمہیں بتلاتے ہیں، یہ تو تم جانتے ہو کہ ہر شے کے خالق حق تعالیٰ ہیں، شے ان کی مخلوق ہے، ہمارا رات دن سابقہ ان ہی اشیا سے ہوتا ہے، یہی ہمارے دل اور دماغ میں بسی ہوئی ہیں، ان ہی کی محبت سے ہمارے قلوب بھرے ہوئے ہیں! چونکہ یہ فانی اور گریز پا ہیں، ان کا زوال اور ان کی فنا پذیری ہمارے غم و حزن کا باعث ہوتی ہے، اب قانونِ ائتلافِ ذہنی کی رو سے یہ ممکن ہے کہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی طرف ذہن منتقل ہو جائے، تم یہی کوشش کرتے رہو کہ شے کو دیکھکر تمہارا خیال شے کے خالق کی طرف جائے، اس طرح تمہیں ہر طرف حق تعالیٰ ہی کا جلوہ نظر آئے گا، اور اینما تولوا فثم وجہ اللہ کے معنی کا ابتدائی فہم حاصل ہونے لگے گا، شئی کی سلبی جہت سے توجہ ہٹ کر جہتِ حق کی طرف مرکوز ہو جائیگی، اور اس طرح یاد قائم ہونے لگے گی، تمہارا معروضِ فکر اب شے نہیں حق ہو گا اور ان تمام انوار سے تمہارا قلب معمور ہونے لگے گا، جو وجہ اللہ کی طرف رُخ کرنے سے

حاصل ہوتے ہیں،

اس طریقہ سے تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ سعادت و مسرت کا سرچشمہ خود ہمارا قلب ہے، حق تعالیٰ کا جلوہ گاہ خود ہمارا قلب ہے، آفاق میں حق تعالیٰ ظاہر ہیں، ہر شے کے ساتھ جہتِ حق موجود ہے، صحیح علم کے استعمال سے وہم اور التباس دور ہوا اور نظر کی اصلاح ہوئی، نقطۂ نظر بدلا، معلوم ہوا کہ انفس و آفاق میں حق تعالیٰ نہاں و عیاں ہیں، انہی سے تعلق قائم کرنا، انہی کی یاد کا جمانا تمام مسرتوں اور سعادتوں کا حاصل کرنا ہے، ان سے غفلت اور ذہول اور خلق میں استغراق اور فنائیت تمام بلاؤں اور آفتوں میں گرفتار ہونا ہے: ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذاباً صعداً، جو کوئی اپنے رب کی یاد سے منہ موڑتا ہے، چڑھتے عذاب میں ڈال دیا جاتا ہے، (پ ۲۵ ع ۱۱) اسی مفہوم کو رومی کے دل نشین الفاظ میں یاد رکھو:

گر گریزی بر امید راحتے ہم از انجا پیشت آید آفتے
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست!

حق تعالیٰ کو چھوڑ کر خلق میں محویت، خواہ بظاہر وہ کیسی ہی دلفریب اور دلکش نظر کیوں نہ آئے نور کو چھوڑ کر ظلمت میں گرفتار ہونا ہے، اور ظلمت سے ضیق، غم و حزن و خوف کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے، ظلمت میں چیزیں اپنے صحیح خد و خال میں کہاں نظر آتی ہیں، کسی شے کا حسن و جمال تاریکی میں دکھائی دے گا! پھر تمہاری نظر میں اشیاء کی یہ دلفریبی تمہارے نفس کا دھوکا ہے، التباس ہے، تمہارا واہمہ ہی تو خلاق ہے، کیسی کیسی دلربا صورتیں یہ تمہاری خوشی کے لئے پیدا کرتا ہے! ان سے تمہیں ابھی لذت حاصل ہوتی ہے، تھوڑی ہی دیر بعد غم کا سایہ تمہارے قلب پر چھا جاتا ہے، ابھی اعتماد ہوتا ہے، ذرا دیر بعد خوف کا زبردست حملہ ہوتا ہے، اور تم کانپ اٹھتے ہو، تمہاری طبیعت میں استقلال نہیں، استحکام نہیں، تمہاری

کوئی پناہ گاہ نہیں! اگر تم اپنی غفلت سے جاگ اُٹھو، اگر تمھاری چشم بصیرت کھل جائے، اور نور اور صداقت کی دنیا نظر آنے لگے، تو تمھیں اشیا ویسی ہی دکھائی دینے لگیں گی جیسی کہ وہ ہیں، اب تم کو حیاتِ طیبہ نصیب ہوگی، اطمانیت و بردقلبی حاصل ہوگی، خوف و حزن زائل ہو جائے گا، استقلال و استحکام عطا ہوگا، اور حق تعالیٰ کے اس وعدہ کا ایفا ہوگا،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ	جس نے نیک کام کیا، مرد ہو یا عورت
هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً	اور وہ ایمان پر ہے، تو ہم اس کو زندگی
(پ ۱۴ع ۱۹)	دیں گے، ایک اچھی زندگی،

یادِ حق کو قائم کرنے، تمھارا رُخ ظلمت سے نور کی طرف پھیرنے، مجاہدہ کے راستہ کو آسان کرنے خلق سے توڑنے اور حق سے جوڑنے میں نیکوں کی صحبت عجیب و غریب اثر رکھتی ہے، صحبت کا اثر نفسیات کا ایک مسلمہ اصول ہے[1]، ہر فرد میں بے سوچے سمجھے ہر قسم کے قضایا کو قبول کرنے کی استعداد یا صلاحیت پائی جاتی ہے، جب یہ قضایا خود اپنے ذہن کے اندر سے وصول ہوتے ہیں، تو اس کو جدید نفسیات کی اصطلاح میں "خود ایعازی" (Auto-Suggestion) کہا جاتا ہے، اور جب کسی خارجی ذریعہ سے حاصل ہوں، تو "غیر ایعازی" (Hetero-Suggestion) کہا جاتا ہے، رات دن ہم خود ایعازی اور غیر ایعازی کے اثر کے تحت خیالات کو قبول کر رہے ہیں، اور ان کو جزو ذہن بنا رہے ہیں، اگر سلبی یا اِضلالی افکار غیر ایعازی قوت کی وجہ سے ہمارے

---

[1] وَمثل جلیس الصالح کمثل صاحب المسك ان لم یصبك منه شیئ اصابك من ریحه ومثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیران لم یصبك من سواده اصابك من دخانه (ابوداؤد ونسائی عن انس)

نیک ہم نشین کی مثال مشک والے کی سی ہے، اگر تجھے اس سے کچھ نہ ملے تو خوشبو تو ضرور پہونچے گی، اور برے ہم نشین کی مثال لوہار کی بھٹی یا بھٹے کی سی ہے، اگر تجھکو اسکی سیاہی نہ لگے، تو دھواں تو ضرور پہونچے گا،

قلب میں جگہ پا رہے ہیں، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم بری صحبت میں ہیں، اور ان کے تیقنات و افعال کی نقل کر رہے ہیں، اور اضطراری طور پر اُن سے متاثر ہو رہے ہیں، ان کے سمّی اثرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے، کہ ہم صحبت ناجنس سے قطعی احتراز کریں ؎

صحبتِ احمق بسے خونہا بریخت	زاحمقان بگریز چون عیسیٰ گریخت

سلبی اثرات سے اس طرح بچ کر ایجابی اور ہدایتی علم کے لئے نیکوں کی صحبت کی تلاش کرنی چاہیے، اہل اللہ کی زبان سے حاصل کیا ہوا علم اپنے اندر خاص اثر و قوت رکھتا ہے، وہ قلب کی گہرائیوں تک پہونچ جاتا ہے، یقین و اذعان کی شکل اختیار کر لیتا ہے، علم حق کو شیخ اکبر محی الدین عربی رض نے علم "اذواق" قرار دیا ہے، اور فرماتے ہیں، کہ "علم الحق علم الاذواق لا عن الاوراق وهو العلم الصحیح وما عداه الا نحدث وتخمین لیس العلم اصلاً" یعنی علم حق ذوق و وجدان سے حاصل شدہ علم ہے، محض کتابوں سے حاصل کردہ نہیں، اور یہی علم صحیح ہے، باقی اٹکل پچو، مطلق علم نہیں، شاید اسکا مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کا علم قیاسی نہیں، مبدءِ نبوت سے اخذ کردہ ہے، قطعی و یقینی ہے، حقیقی واقعی ہے، اس کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حق تعالیٰ خود ان کے معلم ہو گئے ہیں، اور اب وہ براہِ راست اسی مبدء سے علم حاصل کرنے لگے ہیں، اتقوا الله ویعلمكم الله[1] اس پر دلیل ہے، اسی لئے ایک دوسرے راز دان کی نصیحت ہے، کہ خذ العلم با فواه رجال الله ولا من الصحائف و الدفاتر، مردانِ حق کی زبان سے علم حاصل کرو، کتابوں اور دفتروں سے نہیں، کیونکہ ان کتابوں میں قیاس و تخمین اور ظن و رائے کے سوا کیا رکھا ہے! اہل اللہ کی صحبت خاک کو کیمیا کرتی ہے، ان کے افعال و اعمال، ان کے افکار و خیالات رفتہ رفتہ قلوب کے زنگ کو دھوتے جاتے ہیں، اور تم غیر شعوری طور پر نیکی کی طرف مائل ہوتے جاتے ہو، اور بدی سے مجتنب اور محترز ہو

---

[1] اللہ سے ڈرو وہ تمھیں علم دیتے ہیں، (۲)

بالآخر ظلمت سے نکل نور کی طرف تمہارا منہ ہو جاتا ہے، عارفِ روم نے صحبتِ مردانِ حق کے اثرات کو یون بیان فرمایا ہے:

خواہی کہ درین زمانہ فردے گردی   یا در رہِ دین صاحب دردی گردی
این را بجز از صحبتِ مردان مطلب   مردے گردی چو گردِ مردے گردی

یہ کونوامع الصادقین کے حکم کے پنہان فائدون کی اجمالی توضیح ہے،

سیرت سازی کے قرآنی اصول کی اوپر جو توضیح پیش کی گئی، اس کو اجمالاً ایک دفعہ پھر دہرا لیجئے "اذا تکرر تقرر" تکرار سے چیزین زیادہ دلنشین ہوتی ہین، سیرت کی عمارت کا سنگ زاویہ لا الہ الا اللہ پر پختہ یقین و اذعان ہے، تمام انبیاء کا اپنی قوم کو یہی پیغام تھا، کہ یا قوم اعبدو اللہ مالکم من الٰہ غیرہ (اے قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود و رب نہیں" اللہ ہی لائق عبادت ہین، استعانت انہی سے کیجانی چاہئے، میر اسر انہی کے سامنے جھک سکتا ہے، غیر کے سامنے نہین، اس بنیادی عقیدہ کا زبان سے اظہار اور قلب سے اقرار ضروری ہے، زبان سے بار بار کی تکرار یقین کو پختہ کرتی ہے، جس قدر یقین مین پختگی ہو گی، اسی قدر عمل مین سہولت ہو گی، یقین مین شدت پیدا کرنے کے لئے غور و فکر، تدبر و مراقبہ ضروری ہین، یقین اس شدت کا پیدا ہو جائے، کہ شک و شبہہ کی مطلقاً گنجایش نہ رہے، تم جانتے ہو کہ آگ مین ہاتھ ڈالنے سے تمہارا ہاتھ جل جائے گا، اسی طرح تمھیں توحید فی المعبودیت و توحید فی الربوبیت کا یقین ہو جانا چاہئے، ذلت (جو عبادت کی اصل ہے) حق تعالیٰ ہی کے سامنے اس کا ظہور ہو سکتا ہے، جو ہمارے مالک ہین، حاکم ہین، مولی ہین، خالق ہین، رب ہین، وکیل و نصیر ہین، حق تعالیٰ ہی نافع و ضار ہین، معز و مذل ہین، حاجت و مراد و سوال کے کوئی پوری نہین کر سکتا، اس لئے انہی کے سامنے دستِ سوال دراز ہو سکتا ہے، کسی اور کے سامنے ہرگز نہیں، زبان پر یہ دعا جاری رہے اور قلب مین اسکا مفہوم متمکن

اللّٰھم کما صنت وجوھنا ان تسجد   الٰہی جس طرح تونے ہمارے چہرون کو غیر کے آگے

لغیرک فصن ایدینا ان تمتد   سجدہ کرنے سے بچا لیا، اسی طرح
بالسؤال لغیرک،   ہمارے ہاتھون کو اپنے غیر کے آگے
سوال کرنے سے بچائے رکھ،

اس عقیدہ اور یقین کا شخص اپنے ہم جنسون کے آگے کیسے خود کو ذلیل کر سکتا ہے، اسکی سیرت غلامون کی سی کیسے ہو سکتی ہے، وہ نفع و ضرر کی توقع غیر اللہ سے کب رکھ سکتا ہے، اور اپنی عزت اس وہمی نفع و نقصان کی خاطر کیسے بیچ سکتا ہے! مجاہدہ اسی یقین اساسی کو پختہ کرتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے، کہ خواطر کی نگہبانی کی جائے، سلبی اور اضلالی علم کو ایجابی و ہدایتی علم سے بدلا جائے قانون تقلیب افکار "Law of The Polarisation thoughts" نفسیات کا ایک مسلمہ قانون ہے، اسی قانون کے استعمال سے اضلالی علم ہدایتی علم مین مبدل کیا جا سکتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ ایجابی خیالات ہدایتی افکار کو ذہن مین ہمیشہ جمانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور سب سے زیادہ ایجابی خیال حق تعالیٰ کا خیال ہے، جب یہ قلب پر چھا جاتا ہے، تو قلب تمام ظلمتون سے پاک ہو جاتا ہے، نورانی ہو جاتا ہے، نور ہو جاتا ہے، اللّٰھم اجعل فی نفسی نورا اللّٰھم اجعلنی نوراً کی دعا قبول ہو جاتی ہے، اس کا نتیجہ سرور و طمانیت ہے، مسرت و سعادت ہے، جو پاک سیرت کی لازمی خصوصیت ہے، نیک سیرت شخص مسرور و مطمئن ہوتا ہے، اس کی جان اس کا تن راحت مین ہوتا ہے، وہ قطرۂ نور ہوتا ہے، غم سے فارغ اور دائماً مسرور ہوتا ہے، یہ روحانی مسرت ہے، جو طبعی غم و حزن مین بھی باقی رہ سکتی ہے، الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون، الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الآخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذٰلک ھو الفوز العظیم،

(پ ۱۱- ع ۱۱)

یادپاستان

از

جناب مولوی مقبول احمد صاحب صمدانی

(۳)

(۱۲) ایک اور بے نام کی تاریخ کشمیر کا پتہ چلتا ہی،

سکھ جیون ذات کا کھتری، کابل کا رہنے والا تھا، میر غلام علی آزاد بلگرامی اس کے حسن صورت و خوبی سیرت و کمالات ذات کی بڑی توصیف فرماتے ہین، نصیبے نے یاوری کی، عالمگیر ثانی کے نام سے کشمیر فتح کیا، راجہ بنا دیا گیا، اوس نے بہت سی اچھی اچھی باتین اس ملک مین رائج کین، سیاسی اصلاحات عمل مین لایا، وہان کے نامی گرامی شاعرون کی ایک مجلس مقرر کی، تاکہ کشمیر کی تاریخ، ابتدائے آبادی سے اُس کے زمانہ تک کی لکھ ڈالین، اس کام پر پانچ شخص مامور کئے تھے، سرحلقہ محمد توفیق، توفیق تخلص تھا[۱]، جس کا اصلی نام لالہ جو تھا، میر صاحب لکھتے ہین کہ کشمیری زبان کا اس سے بڑھ کر کوئی شاعر نہ تھا، دوسرے محمد علی خان متین تھے، جن کا تذکرۂ سخنوران حیات الشعرا کے نام سے خوب شہرت پا چکا ہے، یہ حسام الدین خان مغل باشندۂ کشمیر کے

[۱] توفیق کا یہ شعر میر حسین دوست کے تذکرۂ حسینی (صفحہ ۹) سے نقل کیا جاتا ہے،

در یاد دو زلف بت کشمیر نژادے | شد تار سرد مار سر از گریہ دو چشمم

تار سر اور مار سر کشمیر کے دو تالابون کے نام ہین،

بیٹے اور بادشاہی منصب دار تھے، (ان دونون باپ بیٹیون کا ذکر مع ان کے علمی فضائل و خدمات کے تاریخ الہ آباد جلد اول صفحہ ۲۵۰ مین کر چکا ہون) تیسرے رکن کا نام بھی محمد علی تھا، مگر لقب پنبہ، ان پانچون مین سے ہر ایک کی امداد کے لئے دس دس مستعد باکمال "کلکی" متعین تھے، خدا معلوم اس کتاب کی تکمیل کی نوبت پہونچی تھی یا نہین محض شعرا کی نامزدگی و انتخاب سے قیاس ہوتا ہی کہ یہ تاریخ نظم مین لکھی گئی ہوگی، (خزانۂ عامرہ ص ۱۱۵، امرائے ہنود ص ۲۸۲)

مولینا سعید احمد مارہروی بھی راجہ کی خوبیون، بے تعصبی اور مروت و فتوت کی بڑی ستایش کرتے ہین، ۱۱۷۵ھ (۱۷۶۱ء) مین مارا گیا،

دو تاریخون کا ذکر قدرے تفصیلاً مگر یکجا کرنا چاہتا ہون، (۱۳) فارسی کی، واقعات کشمیر نام، مولف کا نام محمد اعظم ولد خیر الزمان معلوم ہے، لیکن ان کے القاب و خطاب، خاندان و مسکن سب جلباب خفا مین ہین، قطعۂ ذیل سے جو مصنف موصوف کا طبع زاد ہے، سال تکمیل تالیف ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ء) پایا جاتا ہی،

چو از تجدید تحریر این صحیفہ | مرتب شد بہ آئین لطیفہ
قلم در فکر تاریخش روان شد | بسا معنی کہ فیضان ز آسمان شد
اگر پرسند تاریخش چسان یافت | بگو ترتیب ابواب الجنان یافت
بسال اختتامش باز فرمود | کہ زیب و زینت کشمیر این بود[۱]

جیسا کہ "تجدید تحریر" سے مفہوم ہوتا ہی، نظر ثانی کی نوبت بعد کو آئی، تصنیف کا آغاز اُس سے بہت پہلے ۱۱۴۸ھ (۱۷۳۵ء) مین بعہد محمد شاہ ہو چکا تھا، واقعات کشمیر (۱۱۴۸ھ) تاریخی نام ہے، دس گیارہ برس کے عرصہ مین جو واقعات جدید و مزید رونما ہوئے یا معرکہ آرائیان ہوئین

[۱] تاریخ کشمیر ترجمہ واقعات کشمیر ص ۳۵،

مولف نے ان کو بھی داخل وشامل کر دیا ہے[1] اسی قدر نہین، سال بھر کے بعد یعنی ۱۱۶۰ھ (۱۷۴۷ء)
کے بھی کچھ حالات مندرج پائے جاتے ہین[2] محمد اعظم اچھے شاعر تھے، اپنی کتاب مین فارسی
کے خود تصنیف اشعار اور چھوٹے چھوٹے قطعے اور مثنویان جا بجا لکھی ہین، جن کو مترجم نے برقرار
رہنے دیا ہے[3] یہ کتاب میرے مطالعہ مین نہین آئی، لیکن ایک دوسرے مقبول یعنی خان بہادر
شیخ مقبول حسین مرحوم وزیر مال جمون وکشمیر نے اپنے مختصر رسالہ "حالات مسجد جامع سری نگر" مین
اس کو تاریخ اعظم کے نام سے یاد کیا ہے،[4]

اس کے ترجمہ مین لکھا ہی کہ کشمیر کے بعض حالات اس کے ہندی مورخ لکھا کرتے تھے،
تیس تیس برس کا ایک ایک دورہ (دور؟) ہوتا تھا، اس کے عوض ان لوگون کو راجاؤن سے
روزینے ملتے تھے، ان کی تاریخ کا نام راج ترنگ (؟) ہے، ادھر بادشاہون نے روزینے موقوف
کئے، ادھر اونھون نے لکھنا بند کر دیا، ان کے بعد بعض مسلمانون نے تھوڑی سی تاریخ فارسی زبان
مین ترجمہ کے طور پر لکھی، لیکن وہ واقعات مجمل اور اپنے ہی زمانہ کے حالات تک محدود رکھے،[5]
انہی مین سے ملا حسین خالی (محسن فانی؟) کی ایک مجمل سی تالیف ہی،[6] ان کے بعد حیدر ملک چادوری
کی کتاب سامنے آئی، ملک صاحب نے نہ تو اس ملک کے تمام حالات قلمبند کئے، نہ ضروری تاریخی
واقعات کا احصار وضبط فرمایا، ان کو چھوڑ چھاڑ کر خود ستائی اور نیا گاں سرائی مین مصروف
ہو گئے، ایک موقع پر توضیح بھی کرتے ہین، کہ مرزا نے بچشم خود دیکھ بھال کر ایک علحدہ کتاب لکھی
تھی، یہ ملک چندے اوس کے تصرف مین رہا تھا،[7] کسی کسی واقعہ کو نقل کرتے وقت منشی اعظم نے
اس کتاب کا حوالہ بھی دیدیا ہے، جیسے جہانگیر کے عہد مین سلطان سکندر بت شکن کی مسجد جامع

[1] صفحات ۳۱۱ و ۳۱۴، الیٰ ۳۲۹ [2] صفحات ۳۳۰ و ۳۳۱ [3] ص ۲۰۰ [4] فہرست کتب تاریخی حوالہ داوہ [5] ص ۳ [6] صفحہ ۴ [7] صفحہ ۱۱،

کلان کی آتش زدگی،[1]

پھر فرماتے ہین کہ جب دو تین دورے تیس تیس برس کے اور گذر گئے، تو چند بالکی لون
نے انہی (مذکورہ) کتابون کو دیکھ کر اپنے عہد تک کے اضافے کر دیئے، ایک رسالہ مرتب ہو گیا،
اس کے قریب ہی اُسی زمانہ کے ایک ہندو نے کمال اختصار کیساتھ ایک اور کتاب لکھ ڈالی،
یہ تمام نسخے مشرح نہ تھے، ان کتابون میں بہت سی عجیب غریب باتین چھوٹی ہوئی تھین، اسلئے
احقر الناس (محمد اعظم) نے (بزعم خود) اس کمی کو پورا کیا، احتیاط یہان تک برتی (ملک حیدر
کے ضد) کہ باپ دادا کی تعریف وتوصیف درکنار اپنی ذات ستودہ صفات کا ذکر یا وطن
مالوف کا نام تک حوالہ قلم کرنا جائز نہین رکھا،

یہ کتاب عہدِ اکبری اور خواجہ نظام الدین کے بہت عرصہ بعد کی تالیف ہی، مگر مین نے
اس کا تذکرہ اس واسطے لازم سمجھا کہ اسکی تمام معلومات اسی ملک میں اور اُسی ملک کی پرانی
تحریرون اور تاریخون سے حاصل کی گئی تھین، وہ کتابین خواہ سنسکرت اور ہندی کی رہی ہون
یا فارسی کی، اس سے زیادہ اس کی درمیانی تفصیلات اور اور تاریخون کے باہمی اختلافات
پر نگاہ ڈالنے کی ضرورت نہین پاتا،

البتہ کچھ باتین ایسی رہ جاتی ہین، جو اصل فارسی اور اوس کے ترجمۂ اردو سے مشترکا تعلق رکھتی ہین،

۱- ہندوانہ نامون کو خواہ راجگان کے ہون خواہ مقامات کے، خواہ کتابون
کے سمجھ کر درست کر لینے اور صحیح چھاپنے کی ادنیٰ کوشش بھی نہین کی گئی، پنڈت کلہن کی تاریخ
کشمیر کا نام ہر جگہ صرف راج ترنگ لکھا ہے،[2] جس کی نسبت فرماتے ہین، کہ سنسکرت
زبان میں تھی،[3]

[1] صفحہ ۱۹۷، [2] صفحات ۳ و ۵۰ و ۶۴ و ۶۹ [3] صفحہ ۶۴،

۲۔ بہت سے نامون کے ساتھ زینہ یا اس کا ہم شکل لفظ رینا لگا ہوا ہے، مقامات اور کتابون کے نام سے پہلے بھی نظر آتا ہے بعد مین بھی،[1] مجھ ایسا بوڑھا طالب علم جو کشمیری زبان سے آشنا ہی نا آشنا ہو جتنا سنسکرت سے، اس التباسِ کتابت سے شک و شبہہ مین پڑ جاتا ہو، اس بارہ مین کیا زبان کھول سکتا ہو، پتھر کی چھپائی نے جا بجا نقطے بھی غائب کر دیئے ہین،

۳۔ مرزا حیدر، صاحبِ تاریخ کو، جہان جہان ذکر آگیا ہے، ایک نئے انداز اور نئے طرز سے لکھا ہے، کہین مرزا حیدر کاشغری (ص ۱۰۹) کہین حیدر ملک (ص ۱۱۳) ارقام فرماتے ہین، ایک جگہ مرزا حیدر بھتیجا سعید خان والی کاشغر اور خالہ زاد بھائی بادشاہ بابر کا بتاتے اور ستایش فرماتے ہین، کہ علوم رسمی دینی سے باخبر، شعر و سخن سے بہرہ ور تھا، تاریخ اسی کی تالیف ہے، اور یہ تاریخ معتمد مشتمل اوپر غرائب حالات کے ہے، (ص ۱۳۶)

یا للعجب یہی تاریخ ہے، جس کی واقعاتِ کشمیر کے دیباچہ مین اسی مصنف نے اسی قلم کر ابھی تحقیر کی تھی، جس کو باپ داد کے حالات کا روزنامچہ اور ستایش و نیایش کا طومار بتایا تھا، غرائب و عجائب کے اندراجات سے خالی ہونے کا عیب لگایا تھا، صفحہ ۱۷۶ پر اس کو چادورا اور صفحہ ۲۱۱ پر حیدر ملک چادورہ لکھا ہے، ص ۲۲۳ پر تحریر ہوتا ہے، کہ "اسی حیدر ملک کا بیٹا حسین ملک چادورہ تھا جو قاضی عسکر کے حکم سے قتل کیا گیا تھا، اس پر بعض شیعون نے اتہاماً یہ شعر موزون و مشہور کیا تھا،

شد از ظلم و بیداد قوم یزید ۔۔۔ حسین ابنِ حیدر دوبارہ شہید"[2]

اس ایک نام یا چند مشابہ نامون کے سبب اور ہر ایک کا عہد صحیح معلوم نہ ہونے سے پڑھنے والا تردد مین پڑ جاتا ہے، فوری فیصلہ نہین کر سکتا،

[1] صفحات ۶۵، ۷۸، ۱۰۸ و ۱۱۳ و ۱۲۲ و ۱۳۱ و ۱۴۷ و ۱۹۶، ۳۰۶ [2] صفحہ ۲۲۴

۴۔ ترجمہ مین گندہ و ناشایستہ لفظین بھی کہین کہین بے تکلفی سے آجاتی ہین، بیہودہ ضرب الامثال یا کہاوتین اور بازاری محاورے بھی موجود ہین،[1] زمانہ بدلتا رہتا ہے، آج سے ایک صدی پیشتر یہی باتین جائز اور شیرین سمجھی جاتی ہون گی، اور یہی الفاظ پسندیدہ ہون گے،

۵۔ واقعات کا زمانہ بتانے کے لئے سنین ہجری کا التزام رکھا گیا ہے،

(۱۴) اسی واقعات کشمیر کا اردو ترجمہ تاریخ کشمیر ہے، جو منشی اشرف علی مترجم مدرسہ دہلی نے کیا تھا، منشی صاحب رقم طراز ہین، کہ جب کشمیر کو انگریزون نے سکھوں سے چھینا، تو راجہ گلاب سنگھ جمون والے کو اس کا بھی مستقل راجہ مقرر کر دیا" مسٹر اسپرنگر اُس زمانہ مین مدارسِ دہلی کے پرنسپل، جامع علوم و فضائل شخص تھے، ان کو ایسی کتاب کی تلاش دامنگیر ہوئی، جسمین کشمیر کے گذشتہ حالات درج ہون، اس کا ترجمہ کرایا جائے، بخت و اتفاق کہ خود اسپرنگر صاحب کی کاوش و کوشش سے مفتی صدرالدین خان بہادر صدر الصدور دہلی کے بے مثل ولاجواب کتاب خانہ مین یہ کتاب واقعاتِ کشمیر دستیاب ہوگئی، موصوف نے اس کو پسند فرمایا، اور مجھ نیاز مند (اشرف علی) اپنے یہان کے ایک استاد کو ترجمہ کی خدمت پر مامور کیا، حکم کی تعمیل کی گئی، ۳۰ اگست ۱۸۴۶ء کو ترجمہ شروع ہو کر تاریخ کشمیر کے نام سے موسوم ہوا،[2] اور سوا تین مہینہ کے اندر پنڈت دھرم نرائن کے اہتمام سے مطبع العلوم مدرسہ دہلی مین، ۳۲۵ صفحات پر چھپ کر ۱۱ نومبر کو شائع ہو گیا،[3] لوحِ کتاب پر اس کو انگریزی کے کتابت کے حرفون مین دہلی کالج اور دہلی کالج پریس لکھا ہے، اور ورنیکلر سوسائٹی کے فیضانِ علم کا حوالہ دیا ہے، کہنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت تک خوش نصیب دہلی، دہلی (Dehlie) تھی، ڈیلہی (Delhi نے) نہین بنائی گئی تھی، اور مدرسہ کی حیثیت اسکول سے بلند تر تھی،

[1] صفحہ ۲۱۰ [2] صفحہ ۳ [3] ص ۳۲۵،

پیشِ نظر نسخہ پبلک لائبریری الہ آباد کے قبض و ملک مین ہے، اور ان چند مخصوص دمخطوطہ تبرکات مین سے ہے، جو نامور فاضل و مستشرق بلاک مین H. Blochmann کے زیرِ مطالعہ رہے تھے، موصوف نے اس پر کتاب[1] کا نام، مصنف[2] کا نام، مترجم[3] کا نام، نیز اپنا[4] نام مع ۱۸۷۲ء انگریزی مین تحریر فرمادیا ہے، سرلوح کلکتہ مدرسہ کی بیضوی بڑی مہر ثبت ہے،[5]

بعض سوانح و حوادثِ کشمیر

کوتاہ ہمت قاصر قلم تبصرہ نگار کو یہان کسی راست نویسی و انصاف پسندی کے دعوے کی ضرورت نہین، مقبول ہر حال مین مقبول ہے، لیکن متواتر و مسلم روایات کے مناط پر زُنیا کے جرت و آگاہی کے یقین کی بنا پر کچھ ایسے واقعات بھی سامنے ہین، جن کو حوالۂ کاغذ کرنے سے قلم کا شہ سوار گریز نہین کر سکتا، اور جو بقولِ مصنف ایک بڑی حد تک عجائب و غرائب مین داخل ہین باتین وہی معمولی ہین، جو تماشا گاہِ عالم مین ہمیشہ اور برابر ہوتی رہتی ہین، مگر کبھی کبھی انکی سنگینی و شدت بڑھی ہوئی محسوس ہوتی ہے،

بدنصیب کشمیر ہمیشہ سے آفاتِ ارضی و بلیات سماوی کا آماجگاہ رہا ہے، آسمان اوپر سے انگر اس لئے اس سے منسوب مظالم و شدائد کا ہاتھ بھی اونچا رہا ہے، اس مد کی تفصیلات میں عبرت انگیز وبائین، غلہ کی روح فرسا گرانیان، آتشِ بار خشک سالیان ہیبت ناک قحط ہین، جو کشمیر پر برابر چھائے رہتے تھے،[6] اور یہان کے بدقسمت باشندون کو کبھی سکون اور چین سے بیٹھنے نہین دیتے تھے، ان کے لئے اطمینان و فراغ عنقا کا حکم رکھتا تھا، اس مین ملک کی پریشانی ایک مستقل دفتر و طومار کی محتاج تھی، جس کو مولفِ تاریخ نے ایک پوری مثنوی "شہر آشوب قحط" کے عنوان سے لکھ کر اپنا دلولہ پورا کیا ہے، اپنی چشمدید آپ بیتی لکھتا ہے،

زبس در اضطراز ندا ہلِ کشمیر غم خود ہم نہ خوردہ ہیچ کس سیر

---

[1] جلد کے آخر میں ایک مطبوعہ پرچہ انگریزی کا چسپان ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نسخہ کبھی زبانداں ...

زسوزِ جوع از بس آتش افروخت بیاد دانہ بخیتن اشتہا سوخت
چو چشمِ مردمان از قحط برگشت گرفتہ انقلاب از شہر تا دشت
نشانِ غلہ پیدا نیست یکسر بغیر از حُسن گندم گونِ دلبر
ترقی منحصر دانند مردم درافزونیِ نرخ کال[7] گندم
تنور آسا شکم ہا گشتہ بریان بسوزِ آرزوے یک لب نان
زما کولات حاصل غصہ خوردن بہاے مشت شالی جان سپردن
بجز ماہی دلِ فارغ زغم داشت میسر نان آبے از درم داشت
زانبار ے کسے گر دانہ چینید پئے یک کال صد دشنام بنید
اگر جاے ظہورے کرد مہمان نمک دانش بود از شور افغان
جہان پامال سر چنگ جفا شد ز قحط آب و دانہ کربلا شد
زپا افتاد گانِ دست خالی ہمہ سر چنگ خود از مشت شالی
بیاد کال وارزن ہمچو خاک اند براے جو چو گندم سینہ چاک اند
شدہ ہر فرقہ غرق بحرِ تشویش نخوردہ بہرہ غیر از حسرتِ خویش
خلائق بر سرِ دریا و بازار چو مورِ دانہ خور خوارِ لگد خوار
چو ماہ و گنج قوت ہر کہ دمہ بغیر از خاک نہ از شہر تا دہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۶) ایڈون ٹی اٹکنسن (Edwin T. Atkinson.) بنگال سول سروس کی ملکیت الہ آباد مین تھا [2] صفحات، ۳، و ۱۲، و ۱۵، و ۱۷۲ و ۱۹۳ و ۲۱۰ و ۲۳۲ و ۲۸۸، و ۲۹۴ و ۳۲۶،

[7] کسی کے سر پر زور سے ہاتھ مارنا،

غنیمت می شمار وز خم خوردن[1]

سپاہی بسکہ دادہ تن بہ مردن

قحط تو روز روز پڑتا تھا، نالہ و فریاد کی صدائیں نئی نئی بلند ہوتی تھیں، تاج الشعراء کشمیر مولانا احمد مخلوق کی کیفیت یہ بیان کرتے ہیں :-

گر نظر بر ہلال می کردند | لبِ نانے خیال می کردند
دہن از باز می کردند | گردنِ خود دراز می کردند[2]

کچھ دن بعد پھر قحط پڑا، اسکی شدت اور بھی غضب کی تھی، عسرت، کلفت اور صعوبت تو پہلے ہی سے لاحقِ حال اور وبالِ ہستی تھی، کہ غلہ نایاب ہو گیا، مویشی بھوکوں مر گیے، انسانی مخلوق نے لباس، زیور، اور ان سب بھی عزیز تر چیز اپنے آلاتِ حرفہ کو کنکر پتھر کے مول بہا دیا،

فتر و آن چنان قحط پاے ثبات | کہ نایاب شد نان چو آبِ حیات
دو صد منزل از دیگ شد آتش دود | فراموش شد نامِ نان بر تنور

قحط کے مارے ہوے مردے اول اول تو گھاس پھوس میں دبا دیئے جاتے تھے، بعد چندے تباہی و ہلاکت بہت زیادہ بڑھی، گنجایش گھٹنے لگی، تو دریا میں ڈالنے لگے، یہ صورت بھی قائم نہ رہ سکی، ان کو دریا تک لے جانے کی مہلت نہ ملتی، دریا کا پانی بھی سڑنے لگا تھا، ناچار لاشیں جہاں ہوتیں وہیں چھوڑ دیجاتیں،[3]

آتش زدگیاں جو اتفاقاً ہو جاتیں، اور آتش زنیاں جو عمداً کسی مخالف فریق کو نقصان پہنچانے کے لئے یا غیر مذہب والوں کی بدخواہی سے کیجاتی تھیں، ان کی تعداد بھی بہت ہے،[4] کشمیر کی مسجدیں، خانقاہیں اور مزارات کی عمارات جو سرتاپا لکڑی کی بنائی جاتی تھیں، (آج

[1] صفحات ۲۰۸ و ۲۰۹ [2] ص ۱۰۲ [3] صفحہ ۳۲ [4] صفحات ۱۹ و ۲۰۴ و ۲۲۶ و ۲۶۳ و ۲۹۶ و ۲۹۷ و ۳۰۳ :

اب بھی بنتی ہیں) ابتدا انھی سے کی جاتی تھی، رفتہ رفتہ آگ پھیلتی جاتی، اور محلوں اور شہروں[1] علاقوں کو خاک سیاہ کر ڈالتی تھی، پُرانے پُرانے معابد اور تاریخی پرستش گاہیں بھی اس بلاے بے درمان سے محفوظ نہ رہتی تھیں، پھر بھی اگر کچھ بچ رہتا، تو برف باری کے نذر ہو جاتا تھا،[2] اس قہر خداوندی کے نشانات مٹانے تباہی کی تکمیل، خاک و خاکستر کو یکسر بہا لے جانے کے لئے طوفان[3] بارشِ شدید کو حکم ہوتا، سیلاب کی مزید آفت بھی نازل ہوتی،[4] شہر زمینِ ارم پر سیلِ عرم کا قبضہ دخل ہو جاتا،

شاعر اس عبرت خیز حسرت بھرے منظر کی تصویر ان لفظوں میں کھینچتا ہے :-

دلم از عبرتِ آشوبِ طوفان | شدہ گریان چو ابرِ نو بہاران
برنگے کرد چشم خون فشانی | کہ گردیدہ نگاہم ارغوانی
ندیدم فرش غیر از چادرِ آب | بجاے حلقہء در بود گرداب
گرفتہ آب از مہ تا بہ ماہی | جہاز آسمان گشتہ تباہی[5]

آہ - ایک اور مصیبت بھی تھی جو خطہء کشمیر اور باشندگانِ کشمیر پر بار بار نازل ہوتی تھی، در پردہ اس میں بھی گردشِ فلکی کا ہاتھ تھا، میری مراد زلزلوں سے ہے،[6] ان کے حملے شدید ہوتے تھے، اُن سے اور اُن کی تباہ کاریوں سے رُستگاری محال تھی، مورخ ان کو بھونچال سے تعبیر کرتا ہے،

جب مسلمانوں کی عملداری ہوئی، تو ہندوؤں کا اُن سے لڑنا بھڑنا، تکلیف پہونچانا، معمولی بات مقتضاے فطرت بشری تھی، لیکن اُس سے پہلے کی باتیں بھی سُن لیجئے، جب خود ہندو یہاں حکمران تھے، اُس ملک پر تباہی و بربادی برابر طاری و ساری رہی، لوگوں کے

[1] صفحات ۱۵۷ و ۲۱۴ و ۲۹۷ [2] صفحات ۲۲۸ و ۲۹۶ و ۳۳۱ [3] صفحہ ۱۳۳ [4] صفحات ۱۴۳ و ۲۲۸ و

ذاتی عناوات، آپس کی حریفانہ عداوتین، خاندانی کینے اور رنجشین، باہمی تفریقین، روز روز ایک کو دوسرے پر اُبھارتین، اور زد و کُشت بلکہ بڑی بڑی خونریزیون کا باعث ہوتی تھین، لاریب کارسازِ حقیقی کا ارشاد بجا ہے،

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ	یہ اتفاقاتِ زمانہ ہمارے حکم سے نوبت
(پارۂ چہارم رکوع پنجم)	بہ نوبت سب لوگون کو پیش آتے رہتے ہین

بے شبہہ صفحۂ ہستی پر ایسا ہی ہوتا رہا ہے، اور ایسا ہی ہوتا چلا جائے گا،

ہمارے ہندوستان کی حالت بھی بلاشبہہ ایسی ہی رہی ہے، مین نے نالندہ کے دار العلم والفن کی غارت شدہ عمارتون کو دیکھا ہے، ان کے نشیب و فراز اور اُن کے اسباب پر غور کیا ہے، آپ گجرات پر نگاہ ڈالین، اور تاریخ کے صفحات پڑھین اور برہمنی مذہب والون کا جب تک وہان دخل اور دور دورہ رہا، باہم بیخ کنی اور استیصال کی کوشش و کاوش جاری رہی، جنگ و پیکار کے شعلے بلند ہوتے رہے، ایک فریق کا دوسرے کے مندرون اور پرستش گاہون کو مسمار کر دینا اپنی اچھی سے اچھی یادگار سمجھا جاتا تھا، ان کے کھنڈر زبان حال سے اب بھی اپنی تباہی و بربادی کی داستان سُنا رہے ہین، جب پیروان بودھ کا غلبہ و تسلط ہوا تو انھون نے ہندوؤن پر ہاتھ صاف کیا، اپنے مقدور بھر ان کے عبادت خانون کو صفحۂ عالم سے مٹا کر چھوڑا (تاریخ گجرات از مولوی ذکاء اللہ خان بہادر، و ہندوستان گذشتہ و حال صفحہ ۸۶، از لالہ بیج ناتھ رائے بہادر)

ہندو مسلمانون کے جھگڑون اور فسادون سے بھی بالاتر، دراز تر اور بسیار تر سنی شیعہ کے مخاصمات تھے، صدیون چلتے رہے ہین، مسلمانون کے زوال اور قوت و حکومت کے ختم ہونے کے بعد ان کا خاتمہ ہوا ہے، یہ روزانہ فزون تھے، ہر فرمانروا کی تخت نشینی یا مقامی حاکمون اور

ناظمون کے ردّ و بدل پر بڑی گرمی اور پورے جوش و خروش سے اٹھ کھڑے ہوتے، اور یہ معدودے انسان، سفاک، و بے درد انسان، اپنے برادران دینی و ملکی کا خون مذہب کے پاک نام پر بہاتا تھا، ان کے معتقدات، طریقِ عبادت، روشِ زندگی سے جو شخص ذرا بھی اختلاف رکھتا، اس قربان گاہ پر بے دھڑک چڑھا دیا جاتا تھا، اس مین شیعہ یا سُنّی کی طاقتور ہی پشت پناہی، پیش قدمی یا حملون کی تقدیم اور حفاظتی کارروائیون کی تخصیص و تحدید نہ تھی، یہ خونبار ہنگامے ہر دم ہر ساعت ہوتے رہتے تھے، احتیاط اور بچاؤ کی تمام تدبیرین ان کے سامنے گرد اور ہیچ ثابت ہوتی تھین،

جلبِ منفعت، خزانہ بھرنے کیلئے کوئی کوئی چابک دست مسلمان فرمانروا جزیہ کا حکم جاری کر دیتا تھا،[1] فی نفسہٖ یہ ٹیکس تھا تو نہایت خفیف اور بے حقیقت سا، لیکن مذہب کے برائے نام تعلق اور ایک فرقہ کی تخصیص و تجرید نے اس کی اہمیت کو ہیبت ناک، وحشت انگیز اور ناقابل برداشت بنا رکھا تھا، اسکی سیاسی عظمت؟ العظمة لله الواحد القهار "زمانہ کا بہروپ بدلتا رہتا ہے"، کچھ دن بعد جب مصلحانہ اور رعیت پروانہ پالیسی اور مدبرانہ چاپلوسی یا بیسوین صدی کی اصطلاح مین رفارم کا زور ہوتا تو ہوائے موافق کا ایک جھونکا آجاتا، جزیہ کو منسوخ اور سخت گیریون کو فنا کر کے رکھتا تھا،[2] ہندو رعایا پھر چین کی نیند سونے لگتی، پیٹ بھر کے کھانے پینے کی لذت سے آشنا ہو جاتی، کسی سرپھرے گورنر یا دین کو بدنام کرنے والے امیر کو اپنے

[1] ص ۴۸۸ [2] مؤلفِ امرائے ہنود (صفحہ ۲۲) سلطان زین العابدین (شاہی خان) کے منصفانہ و عادلانہ احکام کا بصراحت ذکر فرماتے اور لکھتے ہین، کہ اس نے اپنے باپ (سکندر والی کشمیر) کے جابرانہ و ظالمانہ طور طریق کی تلافی کی غرض سے جزیہ معاف کر کے اپنے تمام ممالک محروسہ سے گاؤکشی کی بھی ممانعت کر دی تھی، (بحوالہ تاریخ فرشتہ و تاریخ ہندوستان مولفہ شمس العلماء ذکاء اللہ خان)

مخالف مفسدہ پردازون کو کچلنے کی سوجھتی، یا انتظامی مصالح و تدابیر کے جذبات موج زن ہوتے، تو خفتہ بخت ہندوؤن کے لئے یہ فرمان ناواجب الاذعان نافذ ہوتا،

حریفِ مے گسارِ صدق آہنگ — چنیں زد شیشۂ این قصہ بر سنگ
کہ از کفارِ آن جا محتوی خان — بہ تقصیرے شد از دل دشمنِ جان
منادی کرد یک سر اینکہ ہستان — فرود آرند از سر ہاے کفار
دگر بر اسپ نہ نشینند آنہا — نشانِ قشقہ شویند از جبینہا
زپا ہم کفشِ چرمیں دور سازند — نگشتہ با دلِ رنجور سازند
مقرر شد کلاہ از بہرِ کفار — فتاد از بامِ طشت شان ز دستار
کلہ ہم گاہ گاہے می دہد دست — بسانِ بدر، ماہے می دہد دست[1]

مین نہین جانتا کہ کن رحم دل رقیق القلب مسلمانون کے طبع زاد یہ احکام و اصول تھے، یا انھون نے کسی قدیم ترا تیشن شریعت کی تعلیم و ارشاد سے اخذ و اختیار کئے تھے، مگر مورخ اعظم شاہد ہے کہ محتوی خان نے یہ خنجر بیداد ہندوؤن پر چلانا چاہا تھا،[2] "حریف مے گسار" میر احمد خان نائب صوبہ بھی در پردہ اس منصوبہ مین شریک تھا، تاریخ نگار اس جدت طرازی اور سوجھ بوجھ کا سہرا کیلیے محتوی خان کے سر باندھتا ہے، جس کا عرفی نام ملا عبد الغنی تھا، جس کو دیندار اور باعمل بتاتا ہے، اسکی بعض علمی خدمات کے صلہ مین فضیلت و بزرگی کی قدر شناسی مین، برائے عزت افزائی شاہ عالم بہادر شاہ نے محتوی خان خطاب دیا تھا، کشمیر اس کا وطن تھا، وہین منصب و جاگیر مرحمت ہوئی تھی،[3] اس کا بیٹا ملا شرف الدین بھی عالم شخص تھا،[4] ضرورت وقت سے باپ بیٹے دونون اپنے وطن کشمیر ہی مین اقامت گزین تھے، با اقتدار و صاحب اعتبار تھے،

[1] ص ۲۷۹، [2] ص ۲۷۸، [3] ص ۲۷۹، [4] ص ۲۸۵،

عہدہ داران عامل کی سازش و صلاح سے یہ ہدایتین نافذ کی گئین کہ (۱) ہندو سر پر پگڑی نہ باندھین، ٹوپی پہن سکتے ہین، وہ بھی کبھی (۲) گھوڑے پر سوار نہ ہون (۳) پیشانی پر قشقہ نہ لگائین، (۴) چمڑے کے جوتے نہ پہنین، ع

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است

اول تو ہندوؤن کی خود ایک زبردست و با اثر جماعت تھی، دوسرے دربار شاہی مین ان کو پورا رسوخ حاصل تھا،[1] تیسرے شیعہ بھی ان کے ہمساز و ہم باز ہو گئے تھے،[2] محتوی خان اور میر احمد خان کی کوششیں ناکام رہین، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مرحمت خسروی کے دریا مین کوئی طغیانی آئی، شاہانہ ترحم و نصفت شعاری کی ایک ہی لہر اس تمام خس و خاشاک کو بہا لے گئی، راعی و رعایا دونون خود بخود فارغ و مطمئن اور شیر و شکر ہو کر رہنے لگے، نہیں، اس کی روداد طویل ہے، مختصراً کہتا ہون، واقعہ طلب اوباش وضع بے فکرے جمع ہو گئے، طلبہ نے بھی سر اٹھایا،[3] مثل مشہور ہے، ملا کی دوڑ مسجد تک یہان یہ صورت بدلی، کہ ملا (طالب علم) کی دوڑ ملا (عبد الغنی) تک، شدید شورشیں برپا ہوئین، بڑھتی رہین، محتوی خان اور میر احمد خان کے ہم خیال رفقا کے مشورے ہوئے، موقع پا کر محتوی خان میر احمد کے کنگاش خانہ (کونسل روم) سے بھاگ نکلا، عوام نے پیچھا کیا، فوجین بلائی گئین،

چون این ہنگامہ بر اوجِ سما رفت — ازین رہ میر احمد خان ز جا رفت
روان فوجے پے احضارِ شان کرد — کہ ہر یک بود در مردانگی فرد
ہمہ از پاے تا سر غرقِ آہن — تو گوئی کرد طغیانِ آب جوشن
چو این آوازہ در ہر سو سمر شد — بخانِ معدلت آئین خبر شد

[1] ص ۲۸۰، [2] ص ۲۸۴، [3] ص ۲۸۰،

کہ فوجے شد روان مانندِ سیلاب زشمشیر و سپر با موجِ گرداب

زفرمانِ خود از بیمِ خرابی کسے کو بود آتش گشت آبی

پے تسکینِ مردم بے زتشویش قدم بیرون نہاد از مسکنِ خویش

ندادش دہ کس از بیگانہ خویش خدایش خواند زان در خانۂ خویش[1]

محتوی خان نے سنا کہ فوج متعین ہوئی ہے، مجھ ایسے نا انجام بداندیش کا یار و غمگسار کون ہوگا، اس پر خوف و ہراس غالب ہوا، پہلے خدا کے گھر یعنی پڑوس کی مسجد میں پناہ لی عجز و زاری بھی کی، بلوائیون کا ہجوم حملہ آورون کا نرغہ چارون طرف سے بڑھتا جاتا تھا، اس جگہ بھی عافیت و امان نہ دیکھی، ناچار خانقاہ معلّی میں چلا آیا[2]، رعایا کی شورش و آمادگی، عوام کا ازدحام، فوج کا سنگین مقابلہ، نازنین و پری پیکر، نازک اور البیلی عورتون کا چھتون پر چڑھ کر اینٹ پتھر سے نشانہ بازی کرنا، موسلون سے مارکوٹ، شہر کی بربادی، محلوں میں آگ لگا دینا، بدمعاشیوں اور جفا کاریون کا نا متناہی سلسلہ تاخت و تاراج کی گرم بازاری[3]، اس کو بھی اس مورخ شاعر کی زبان سے سن لیجئے،

ازیں سو پر دلان را حربۂ جنگ بکف بود فلاخن[4] از خرِ سنگ[5]

بمرداں صف شکن در عرصۂ کین ندیدہ کس بدین سا فوجِ سنگین

چنان از زن[6] پوشان اجتماع است کہ گوئی غزوۂ ذات الرقاع است

چو شد نزدیک فوجِ خانِ ناظم دران ساعت قیامت گشت قائم

بسانِ شمع از بادِ سحر گاہ تزلزل یافت در پیر و جوان راہ

---

[1] ص ۲۰۲ [2] صفحہ ۲۰۲ [3] صفحات ۲۰۱ و ۲۰۳ [4] پتھر پھینکنے کا آلہ، گوپھن [5] بڑا سا پتھر [6] کہنہ پارچہ، دلق، خرقہ،

نشد یک تن مقابل از پئے جنگ نیامد کس بروے شان بجز سنگ

زبامِ خانہا چون بر سر شان چکس کرد از دو جانب سنگ باران

فگندہ از دو جانب نوجوانے بر ہ چون قصہ خوانان نرد بانے

چو آہن پوش مردانِ سپاہی دران ہنگامہ از قہرِ الٰہی

فرار از بیمِ سنگ انداز کردند زنان خبث الحدید آغاز کردند

در آب جویبار آن تشنگان را بیفگندند مردم بے محابا

زقتلِ نوخطانِ چہرہ گلگون چو حدولِ یک قلم شد سرخ از خون[1]

محتوی خان کی داستانِ غم ختم پر آتی ہے، وہ خواجہ عبد اللہ خان میر بخشی صوبہ کے گھر اس سے ملنے گیا، سید اطہر خان دیوانِ بیوتات نے سن پایا تو بہت سے منصب دارون کے مشورہ و صلاح سے محتوی خان کو وہین ہلاک کرا دیا، اسی ہنگامۂ رستخیز میں اور بہت سے قصوردار، نیز ناکردہ گناہ کام آئے، محتوی خان کے دوست ہون یا دشمن، بے دریغ تہِ تیغ کر دیئے گئے[2]، ان شورشون اور فسادات کے زمانہ مین شیعون نے اچھی طرح مورچہ بندی کر لی تھی، خوب مضبوط اور تیار ہو گئے تھے، مجمعِ عوام اس سے بے خبر نہ تھا، ان کی طرف متوجہ ہوا، یہ تو پہلے ہی سے عوام و خواص کی زبانون پر تھا کہ محتوی خان کا قتل انہی کے ایما و تحریک سے ہوا ہے خدا ہی جانتا ہے کہ یہ الزام سچ تھا، یا جھوٹ، بہرکیف ان تیاریون اور اہتمامون کی بدولت بلوائی ان کے محلون پر چڑھ گئے، بھلے آدمیوں کو لوٹا، ننگ و ناموس خراب کیا، معصوم بچے، مظلوم عورتین اور مرد تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اثنا عشری فرقہ کے مجتہد اور مقتدائے قدیس مولانا شمس الدین عراقی[3] کی خانقاہ بھی منہدم و مسمار کر دی گئی، ان جفا کوش ستم گارون کی شمشیر زنی

---

[1] ص ۲۰۲ [2] ص ۲۰۴ [3] ص ۱۳۲ و ص ۱۵۲ و ص ۲

اور خون آشامی سے شیعہ در کنار، نہ ہندو نیچے نہ سُنّی، مورخ کا قلم آگے بڑھتا ہے،

پس از یک چند خانِ صدق تخمیر ‏ ‏ دلِ خود جمع کرد از اہلِ تزویر

برائے دیدنِ بخشی روان شد ‏ ‏ اجل در پردہ با او ہم عنان شد

چو بود از زمرۂ اتراک بخشی ‏ ‏ سکون در قتلِ خان انگاشت بخشی

بتِ شصت چشم از دہر پوشید ‏ ‏ قبائے ہستیش صد پارہ گردید

پس از یک لحظہ خلق شورش انگیز ‏ ‏ شدند آتش صفت ہر سو جلو ریز

زدند آتش بخان و مانِ بخشی ‏ ‏ مسلم جست لیکن جان بخشی

نمودندش سکان بے اعتدالی ‏ ‏ زرد بہ بازیِ قوم شخالی

دگر بر حضرت قاضی دویدند ‏ ‏ چو آتش یک نفس آنجا رسیدند

بجرم بے گناہی خانہ اش را ‏ ‏ کشیدند آتش و کردند یغما[۵] ‏ (باقی)

---

[۵] صفحہ ۲۸۵،

کلیاتِ شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ جواب تک متفرق طور سے، دیوانِ شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگِ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں،

ضخامت ۴۴ صفحے، قیمت:- ۸؍

مینجر دار المصنفین

خاکی

از

جناب غلام مصطفےٰ خانصاحب ایم اے، ایل ایل بی (علیگ) لکچرار کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

حالات اردو کے صوفی شاعر خاکی کے متعلق آج یہ معلومات نذرِ ناظرین ہیں، ان کا مکمل دیوان حبیب گنج میں ہے، جس کے اوراق کی تعداد اکیانوے ہے، اور اشعار تقریبًا اٹھارہ سو ہیں، خطِ نسخ ہے اور خاتمے کی عبارت یہ ہے:

"تمت تمام شد، دیوانِ رنگین من کلام توحید انجام سید محمد قادری عرف مدن[۱] صاحب

ابن سید جمال اللہ قادری مدظلہم العالی؛

بخط نوشتِ سید حسین قادری عرف شاہ میان، بتاریخ دہم ربیع الاول ۱۱۸۲ھ قلم شد"

اس عبارت سے یہ چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:-

۱- خاکی کا نام سید محمد تھا، اور عرف "مدن صاحب"

۲- ان کے والد کا نام سید جمال اللہ تھا، اور یہی غالبًا ان کے پیر بھی تھے، جیسا کہ اُن کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:-

جمال اللہ مرشد جب دیکھا کر یو کون خاکی ‏ ‏ کیا ہو تجکون او محرم بھی نامحرم سوں کیا مطلب

---

[۱] تمکین صاحب نے (تذکرہ ریختی، ص ۳۶) اس جگہ "مدن صاحب" کی بجائے "بڑے صاحب" پڑھا ہے،

خاکی جمال ذات اپس پیر کوں سجھ — تجلّیوں کیا ہے مست جو اُن پیوسوں ملا

اپنے خاکی کتیں جمال اللہ — نت پیاسوں ایسے ملا دینا

۳- لفظ قادری جو خاکی اور اُن کے والد کے نام کے ساتھ پایا جاتا ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ پیری مریدی میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء) کے سلسلے میں منسلک تھے، اسی لئے خاکی نے کئی قصیدے شیخ کی مدح میں بہت عقیدت کے ساتھ لکھے ہیں،

ایک کا مطلع یہ ہے :-

توں بادشاہِ دو جہاں یا غوث الاعظم دستگیر — ہے لامکاں تیرا مکاں یا غوث الاعظم دستگیر

ایک اور جگہ کہتے ہیں :-

یوں تصدق ہے غوث الاعظم کا — فیض اُن کا ہر آن ہے ہو حق

۴- کاتب سید حسین قادری عرف شاہ میاں بھی غالباً خاکی کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اُس نے اس دیوان کی تکمیل ۱۰ ربیع الاول ۱۱۸۲ھ مطابق دو شنبہ ۲۵ جولائی ۱۷۶۸ عیسوی میں کی تھی،

۵- فقرہ "مدظلہم العالی" خاکی کے نام کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ خاکی کم از کم ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء تک ضرور زندہ تھے، جب کہ یہ دیوان مکمل ہوا،

یہ چند باتیں تو خاکی کے متعلق بلا شک و شبہہ صحیح ہیں، اب دوسرے مشتبہ حالات کو پرکھنا ہے، میر حسن دہلوی کا تذکرہ جو ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء اور ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء کے درمیان لکھا گیا ہے، اس میں ایک خاکی کا حال پایا جاتا ہے، جو یہ ہے :-

خاکی۔ تخلص مردے بود درویش از شاہجہان آباد، در عہدِ جہانگیر، احوالش معلوم نیست[1]

[1] تذکرہ مطبوعہ علی گڈہ ۱۹۲۲ء، صہ ۲

(از یک مرد پیرے ایں شعرش بگوش خوردہ از دست)":-

تجھ پیم کی گلی میں خاکی کو خاک ہونا[1] — ٹھانی ہے اپنے من میں اب تو یہی سجن

صاحبِ گلِ رعنا (ص ۱۱-۱۲) کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اس عبارت میں جہانگیر کے بجائے عالمگیر (المتوفی ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) ہونا چاہئے، اور یہ خاکی وہی ہیں جن کا دیوان حبیب گنج میں ہے، میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ ہمارے خاکی بالکل مختلف شخص ہیں اور ان کا تعلق شاہجہان آباد (دہلی) سے نہیں بلکہ دکن سے تھا، ثبوت حسب ذیل ہیں:-

۱- میر حسن دہلوی نے جس خاکی کا شعر نقل کیا ہے، وہ ہمارے خاکی کے دیوان میں نہیں ہے،

۲- ہم ابھی دیکھ چکے ہیں، کہ ہمارے خاکی کم از کم ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء تک یعنی عالمگیر اورنگ زیب کے بھی تقریباً ساٹھ سال بعد تک زندہ تھے، اور یہ زمانہ قریب قریب وہی تھا جب کہ میر حسن دہلوی نے اپنا تذکرہ لکھا ہے، اب اگر ہمارے خاکی دہلی کے ہوتے، تو میر حسن اپنے ہم وطن اور ہم عصر شاعر کے متعلق صرف اتنا لکھنے پر اکتفا نہ کرتے، کہ "احوالش معلوم نیست"۔

۳- جس وقت ہمارے خاکی زندہ تھے، اس وقت تک شاہجہان آباد (دہلی) کی زبان بہت صاف ہو چکی تھی، اور اردو کے چند بہترین شعراء، مثلاً میر، سودا، درد وغیرہ مشہور ہو چکے تھے، ان لوگوں کی زبان ہرگز وہ نہ تھی، جو ہمارے خاکی کی ہے، جن کے یہاں دکھنی زبان و بیان کے علاوہ خیالات بھی ولی کی طرح دکھنی اثر سے متاثر ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ خاکی شاہجہان آباد دہلی کے نہ تھے،

۴- ایک اور بات غور طلب ہے، اور میرے خیال میں وہ خاکی کو دکھنی ثابت کرنے میں مدد دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کا پورا دیوان پڑھ جائیے بعض بزرگوں کی مدح میں قصیدے

[1] تذکرہ مطبوعہ علی گڈہ ص ۲

پائیے گا، لیکن ہندوستان کے صرف ایک بزرگ دکن والے یعنی حضرت گیسو دراز "بندہ نواز" (گلبرگہ) (المتوفی ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) کی مدح مین صرف ایک قصیدہ ہے، مطلع اس کا یہ ہی:

نزولِ رحمتِ ربِّ کریم بندہ نواز   تون فیض بخش ہی گنجِ رحیم بندہ نواز

ان باتون سے یقین کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے خاکی دکھنی تھے، جب اتنا ثابت ہو چکا ہی تو پھر دکن کی تاریخ پر نظر جاتی ہے، لیکن ہمین اُس عہد کی کسی تاریخ اور کسی تذکرے مین کوئی خاکی نظر نہین آتے، سوائے ان چند زبانی روایات کے جن کا بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

۱- برار (دکن) کے مشہور شہر امراوتی، اور ایوت محل کے درمیان موٹر کی سڑک پر ایک مقام نیر ہے، وہان سے ۵-۶ میل پر ایک گاؤن انجنی ہی، اور وہان سے ۹ میل پر اڑگانو ہے، مشہور ہے کہ تقریباً پونے دو سو سال ہوئے، کہ موخر الذکر مقام پر خاکی پہونچے، وہان ایک بوڑھا مالی اور اس کی بیوی دونون اپنے باغ کے کام مین مشغول تھے، اونھون نے خاکی کو اجنبی اور خستہ حال سمجھ کر کچھ کھانا پیش کیا، خاکی نے دعا کی کہ ان کا خاندان ہمیشہ خوشحال رہے، چنانچہ مشہور ہے کہ اس دعا کی برکت سے اس مالی کا خاندان اب تک بہت طمانیت کی زندگی بسر کرتا ہی،

(۲) خاکی نے اڑگانو مین کچھ عرصہ کے لئے قیام کر لیا، اور ان کی کرامتون کی شہرت جب اطراف مین ہوئی، تو انجنی سے بھی ایک ہندو ڈھیڑ (چھوٹی ذات والا) ملکو نامی[1] ان کی خدمت مین روز پہنچا تھا، خاکی نے اُسے مستفیض کر کے صاحب کرامت بنا دیا، اس بھلے آدمی نے خاکی کی روانگی کے بعد خاکی کی ایک مصنوعی قبر انجنی مین بنا لی تو اڑگانو والے کیون پیچھے رہتے؟ انھون نے بھی ایک قبر اپنے لئے تیار کر لی، اب دونون مقامون پر خاکی صاحب کا عُرس ہوتا ہی،

۱؎ مرہٹون کی اصطلاح کا ایک لفظ "بُوا" بھی اس کے نام کے ساتھ بولا جاتا ہے، جو صرف مقدس ہستیون کے لئے مستعمل ہے،

انجنی مین اتنا ہوا کہ ملکو کے مرنے کے بعد اسے خاکی کی مصنوعی قبر کے قریب دفن کر دیا گیا، اور اس وقت سے اب تک وہان مُردون کو جلاتے نہین ہین، بلکہ دفن کرتے ہین، خدا جانے خاکی کس خاک مین سو رہے ہین لیکن وہان یہ مشہور ہی، کہ وہ پاک پٹن (پنجاب) چلے گئے تھے، اور وہین انکی اصلی قبر ہے،

(۳) ایک اور قصہ خاکی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے، جو دوسرے بزرگون کے ساتھ بھی منسوب ہی، وہ یہ کہ خاکی اڑگانو مین بیٹھے ہوئے کچھ وظیفہ پڑھ رہے تھے، یکایک انھون نے اپنے مصلے کے نیچے ہاتھ ڈالا، تھوڑی دیر مین ہاتھ باہر کھینچا، تو وہ کیچڑ مین لتھڑا ہوا تھا، کچھ عرصہ کے بعد ایک جہاز کا مالک آیا، جس سے معلوم ہوا کہ خاکی صاحب نے اُس کے جہاز کو ڈوبنے سے بچایا تھا،

خاکی کی سخن گستری

جلیب گنج والے نسخہ مین جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے اکیانوے[91] اوراق ہین ہر صفحے پر عموماً دس شعر ہین، اقسامِ نظم یہ ہین :-

(۱) غزلین، جو سب کی سب عشقِ حقیقی کے نغمون سے پُر ہین،

(۲) قصیدے، کئی قصیدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح مین ہین، ایک قصیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت مین ہی، جس کا مطلع یہ ہی :-

صاحب شجاع و ہبلی بے شک ولی اللہ علی رضؓ   یقین ہی جدا حق سون کبھی بیشک ولی اللہ علی رضؓ

ایک اور قصیدہ حضرت گیسو دراز "بندہ نواز" کے متعلق ہی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہی،

(۳) کئی مستزاد ہین،

(۴) ایک مثنوی بھی ہی جس مین پچپن[55] اشعار ہین، ارکانِ اسلام کی تاویل صوفیانہ رنگ مین کی گئی ہی، شروع کے اشعار یہ ہین :-

کہوں کیا زباں سوں خدا کی صفت ۔۔۔ صفت ہو کہ موجود ہے سب جگت

خدا کوں صفت سب سزاوار ہے ۔۔۔ وہی جز دکُل کا سدا یار ہے

جنے حق کوں پایا جہان مین نہین ۔۔۔ رہے ہو کے اعمیٰ حشر تک وہین

سمجھ کر اپس کے اول جیو کوں ۔۔۔ اپس جیو مین دیکھ لے پیو کوں

فرائض تو باطن کے ہین پانچ جان ۔۔۔ بیان کھول کرتا ہون اس کوں پچھان

محمدؐ کے جب نور مین رب کا نور ۔۔۔ دسے پرسہج او ہی کلمہ ظہور

مثال اس کی کہتا ہون کر گیان توں ۔۔۔ اسے سُن اتا دل کے توں کان سوں

کہ جوں ماہ کے نور میں تج دسے ۔۔۔ کہ خورشید کا نور اس میں بسے

جو نور ہے علےٰ نور حق نے کہا ۔۔۔ سہج اس کتین بے خبر کیون رہا

محمدؐ کے نت نور میں ذات کون ۔۔۔ کہ پاتا ہے او صلوٰۃ بطول

وصل پاکے واصل چھپی بات کوں ۔۔۔ سُنے ہور کہے بلکہ او ذات سوں

وصل پا خدا سوں جو باتاں سنے ۔۔۔ صلوٰۃ بطول سوں ادا ہوے اونے

سہج لے خدا کا بھی ہے قول یوں ۔۔۔ سخن رب سوں کرنا نماز بطول

دیوان مین خاکی کی سخن گستری بس انہی اقسام تک محدود ہے، لیکن گلِ رعنا (صفحہ ۱۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک مثنوی فیض عام بھی لکھی تھی، جو مولوی عبد الرزاق صاحب مرحوم (چیف ٹرانسلیٹر، ناگپور) کے کتب خانہ مین تھی، زمانہ طالب علمی ہی سے جب کہ مین علی گڑھ مین تھا، مجھے یہ اشتیاق پیدا ہوا تھا کہ چونکہ میرے وطن جبل پور سے ناگپور قریب ہے، اس لئے مین آسانی کے ساتھ اس مثنوی کا پتہ چلا سکون گا، مولوی صاحب مرحوم[1] کی زیارت مجھے نصیب

[1] مولوی صاحب مرحوم کے صاحبزادہ حمید الرزاق صاحب بھی اپنے والد صاحب کے عہدہ پر فائز ہین، ان کے

ضرور ہوئی لیکن افسوس ہو کہ مین انھین اس سلسلہ مین نہ پہچان سکا تھا، اب ان کے بھائی عبد الستار صاحب سے شہر ایلچپور (برار) مین وہ مثنوی دیکھنے کو ملی، اس کی تفصیل انشاء اللہ پھر کبھی پیش کرون گا، ابھی مختصراً اتنا عرض کرتا ہون کہ وہ مثنوی خاکی کی نہین ہے، بلکہ ایک دوسرے شاعر عبد المجد کی ہے، مثنوی سے معلوم ہوتا ہو کہ سید محمد صاحب "مہدی" جونپوری (المتوفی ۹۱۰ھ ۱۵۰۵ء) کے کوئی صحابی "شیخ ویش (؟)" تھے، ان کے پوتے مصطفےٰ تھے جنھون نے مہدوی عقائد کی بہت تبلیغ کی تھی، اسی کی تفصیل اور مصطفےٰ کے حالاتِ زندگی پر یہ مثنوی مشتمل ہے، تقریباً چار ہزار اشعار ہین، اور اس طرح حمد سے شروع ہوتی ہے:-

خدا کی کرون صفت اول بیان ۔۔۔ بنایا جنے سب زمین آسمان

بھی انسان کوں خاک سیتی کیا ۔۔۔ انا سترہ شرف اس کوں دیا

جنے جان کوں آگ سو کر بدن ۔۔۔ پری جن کا تستین بخار تن

یہ قصہ دراصل کسی شیخ آدم نے فارسی مین لکھا تھا جس کا یہ دکھنی منظوم ترجمہ عبد المجد نے کیا ہے، خود شاعر کہتا ہے:-

اتا سُن بیان اس قصے کا اے یار ۔۔۔ اگر تو اچھے دل منے ہوشیار

میان مصطفےٰ کا قصہ فارسی ۔۔۔ بنایا تھا دل کھول جیون آرسی

میان شیخ آدم نے کر کر بیان ۔۔۔ سو بولے تھے اس کوں مبارک زبان

ولے اَن پڑھیا اس کوں کیا بوجھتا ۔۔۔ کہ جیسے اندھے کوں نہیں سوجھتا

سہل کر کو دکھنی میں جوڑی کتاب ۔۔۔ سمجھنے مین ہر اک کے آوتے شتاب

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱۲) یہان "مہدوی" مذہب کے متعلق کافی کتابین ہین، سید محمد صاحب "مہدی" کا ایک اردو فقرہ مین نے ایک کتاب میں یہ دیکھا ہے، "ہمون تموں میانے خدا بہتر کے محب ہے جیو"

کیا ہی یو دکھنی زباں سوں کلام
رکھا نا تو اس کا یقین فیض عام

اب ہم اس مثنوی کے آخری اشعار نقل کرتے ہین جس سے شاعر کا نام اور تاریخ تالیف معلوم ہو سکے گی :-

نوین چاند شعبان کی رات کوں
خدا نے یو آخر کیا بات کوں

اتھا سن ہجری جداں یک ہزار
بھی یک سو پو چالیس یک در شمار

سو عبد المحمد نبیؐ کا غلام
خدا کے فضل سے کیا یو تمام

اتا چاہتا ہے یو عاجز غریب
کہ ہو عاقبت نیچ نیکی نصیب

کہ یعنی خدا آپ کر کر فضل
سو ایمان بخشے عطا بے خلل

شریعت نبیؐ کی اوپر مستقیم
رکھے آپ صاحب غفورؔ الرحیم

پڑھے جو میاں مصطفےؐ کا ذکر
بھی جو کر عقیدہ سنے کان دھر

تو اپنی زبان سون خدا کے بدل
دعا سوں کرے یاد صاحب عقل

وگر جو خطا چوک دیکھیں کبھی
تو کر عیب پوشی سنو اے ین سبھی

نبیؐ پر درود ان پڑھو بے شمار
بھی مہدی پہ بھیجو سلامان ہزار

ان اشعار مین صاف تبلایا گیا ہی کہ عبد المحمد نے (شب پنجشنبہ) ۹ شعبان ۱۱۴۱ھ (مطابق ۲۷ فروری ۱۷۲۹ء) کو یہ مثنوی مکمل کی یعنی یہ شخص ہمارے خاکی سے کم از کم چالیس سال پہلے ہوا ہے اور وہ مہدوی بھی تھا، اسی لئے خاکی کے برعکس اس نے حمد و نعت کے بعد سید محمد مہدی جونپوری اور ان کے بعض خاص "صحابہ" کی منقبت بھی لکھی ہے،

کیا خاکی نے بھی ریختی لکھی تھی ؟

جناب تمکین صاحب نے تذکرۂ ریختی ص ۲۶ مین خاکی کے ان اشعار کو ریختی کہا ہی :-

پیا بن اے سہیلی انجھون سو کھ دھوتی ہون
کبھی مین منتنع گھر اندھارا دیکھ روتی ہون

کرو پیو پیر سین ظاہر یو سب مل سات ہو سکیان
جنم سب ہجر مین غم کے ترے بن نت یو کھوتی ہون

یو جاری مین ممکن ہو ملے جب دیکھ بالا سون
بھٹی سون برہ کی تب مین نکل پیو سیات ہوتی ہون

رہون مین کب تلک جھرتی جلا کر دل کتیں کڑتی
کہ اب غم کے پہاڑون پر بھلا ہے سر برڈتی ہون

رہون کیوں ابتدا مین مین دسے جب انتہا مجھ کون
فنا فی الشیخ ہو کر مین بقا باللہ ہوتی ہون

سجن کا ورد کرنے کو محبت کے یو رشتہ مین
سدا مین من کے منکیون کون اپس پلکھوں پڑتی ہون

درخت عاشقی کون مین فقر کے پھول پھل ہونے
نت اٹھ کر دل مین مین اپنے و تخم عشق بوتی ہون

کروں ممکن کہ ساقی مین کبھی سیر لدنی کا
چلون جب باٹ لے پیو کی یون وجب تن کون دھوتی ہون

مدد سوں شاہزادہ کی ترقی پا کے اے خاکی
کبھی وحدت کے دریا مین مرائے پن ڈبوتی ہون

خاکی کی اس قسم کی شاعری کو بعض ادیبون[۵۱] نے ریختی سمجھ لیا ہی، بلکہ ہاشمی بیجاپوری (م ۱۶۹۷ء) کو بھی اسی خیال کے تحت مین ریختی کا پہلا شاعر قرار دیا ہے، لیکن مولنا عبد السلام ندوی[۵۲]، پروفیسر مسعود حسن رضوی[۵۳]، جناب مبین نقوی[۵۴] وغیرہ کے خیال کے مطابق ایسی شاعری کا شمار بھاشا مین ہوگا، جس مین عورت کا خطاب مرد سے ہے، میری رائے بھی یہی ہے، کیونکہ ریختی مین عورتون کے جذبات، خیالات اور احساسات کے علاوہ ان کی زبان اور اصطلاحات کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہی، اور ساتھ ہی "عریانی" کی جھلک بھی آجاتی ہے، یہ بالکل حقیقت ہی، جو تمام ریختی گو شعراء کے یہان پائی جاتی ہے، اور جس کا انکار مشکل ہے، ریختی کی یہ تعریف ذہن مین رکھتے ہوئے خاکی کے مذکورۂ بالا اشعار دیکھے جائین تو صاف روشن ہو جائیگا کہ

---

۵۱ اردو شہ پارے (جلد اول صفحہ ۲۵۹) تذکرۂ ریختی (صفحہ ۲ مقدمہ) وغیرہ ۵۲ شعر الہند (جلد دوم صفحہ ۳)

۵۳ مجالس رنگین (مقدمہ صفحہ ش) ۵۴ تاریخ ریختی (مقدمہ صفحہ ۳)

ان کا تعلق ریختی سے نہین، بلکہ بھاشا سے ہے جس کا اثر اُس زمانہ مین دکن مین ضرور تھا،

خاکی کا تصوف اس عنوان کا یہ مقصد نہین ہو کہ خاکی کے خیالات تصوف مین کوئی خاص درجہ رکھتے ہین، بلکہ صرف یہ بتانا ہو کہ وہ کس صوفی شاعر کے پیرو ہین، ان کے اٹھارہ سو اشعار پڑھ جائیے کہین عشقِ مجازی کی جھلک بھی نہ ملے گی، انھون نے جو کچھ کہا شاعر کی حیثیت سے نہین بلکہ صوفی بن کر کہا پھر بھی ایسا کہا کہ وہ اردو کے صوفی شعرا مین ممتاز سمجھے جائین گے،

ہمارے صوفی شاعر عموماً "المجاز قنطرۃ الحقیقۃ" پر کاربند رہتے ہین، اور اس گروہ مین جامی (م ۸۹۲ھ) بہت ممتاز ہین، چنانچہ وہ اپنی مثنوی "یوسف و زلیخا" مین صاف کہتے ہین :-

دلے فارغ ز دردِ عشق دل نیست   تنے بے دردِ دل جز آب و گل نیست[۱]

متاب از عشق رو گرچہ مجازی ست   کہ این بہرِ حقیقت کارسازی ست

بلوح اول الف با تا نخوانی   ز قرآن درس خواندن کے توانی؟

دوسرا گروہ حقیقت ہی حقیقت دیکھنا چاہتا ہے، اور مجاز سے نفرت رکھتا ہے، مثلاً مولانا رومؒ (م ۶۷۲ھ) فرماتے ہین،

عشقہاے کز پئے رنگے بود   عشق نبود عاقبت ننگے بود

عشق نبود آن کہ در مردم بود   این فساد از خوردنِ گندم بود

عشق با مردہ نباشد پائدار   عشق را برحیّ و بر قیوم دار

اس دوسرے گروہ مین ہمارے خاکی بھی شامل ہین، جو مولانا رومؒ کی طرح مجاز

[۱] علامہ اقبال نے تن اور دل کے لئے خوب پیغام پیش کیا ہو:-

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے   تنے محکم تر از سنگین حصارے

درونِ او دلے درد آشنائے   چو جوئے در کنارِ کوہسارے

(پیام مشرق ص۱۰)

کے متعلق بقولِ جگر یہ سمجھتے ہین، کہ ع

لطف کچھ دامن بچا کر ہی گذر جانے مین ہو

اسی لئے خاکی تو یہان تک کہتے ہین :-

جو کرتے ہین عالم سو شادی نہین   کہ احمق ہین کرتے ہین شادی یہین

جسے اس حقیقت کا لذت لگے   مجازی طرف دل کبھی نہ جھکے

مجازی حقیقت سوں کرین جُدا   نظر سو حقیقت پہ رکھ توں سدا

خودی چھوڑ کر پا خودی کوں سدا   خودی بن نہ ہووے گا حاصل خدا (مثنوی)

چنانچہ مولانا رومؒ اگر اس بات پر زور دیتے ہین، کہ

گرچہ آن وصلت بقا اندر بقاست   لیک در اول بقا اندر فناست

آئینہ ہستی چہ باشد نیستی   نیستی بگزین گر ابلہ نیستی

تو خاکی بھی کہتے ہین :-

نین فنا کوئی شئے ہے عین بقا   نفی کہتے سو ہے وہی اثبات

یون سمجھ عارفان جز کل میں   ہور نہین ہے سدا وہی یک دہات (مثنوی)

اسی لئے اس دنیا کو "مزرع الآخرۃ" سمجھتے ہوئے ارکانِ اسلام کو صوفیانہ رنگ مین پیش کرتے ہین :-

سچ لے خدا کا بھی ہے قول یون   سخن رب سون کرنا نماز بطون

طلب جس کوں ہو حق کے دیدار کا   وہ ہے روزہ باطنی یار کا

ہے افطار، دیدار دیکھا ہو جن   نہین کس کون افطار دیدار بن

گواہی ہے اس پر حدیث نبیؐ   اسی کا کہا ہون بیان مین بھی

جو چوتھا فرض ہے زکوٰۃ بطون — بیان اس کا کرتا ہون سُن خوب تون

محمدؐ کے جن نور ہور ذات کون — اگر پاک کے ظاہر کرے خلق سون

سچ ہے یو باطن کا ہے گا زکوٰۃ — کیا ذکر تحقیق کرمیں یو بات

فرض پانچوان یار او بوج حج — بیان کھول کرتا ہون اس کون سچ

ایس دل کون پا، دل کا کرنا طواف — وہی حج اکبر ہے نیں ہے خلاف

کہ او دل جسے نین ہے یو، دل بہنین — نہ سمجھے توں یو مضغۂ گوشت کین

کہین ہین نبیؐ قلب مومن دوام — کہ بے شک ہے او کعبۃ اللہ مُدام

شریعت کے لوگاں کون دعوت کرون — کندوری کون وحدت کے آگے دھرون

انا مین طریقت کی شادی گناؤن — حقیقت کے دولا دولن کون ملاؤن

اوشاہد امین گنجِ مخفی میں جب — بچھونے کون کرلائے دولی کون تب

کہ دولا بھی عاردس یک جالے — لگے وصل میں محو ہو جا کلے

مشاطہ کون دولے نے اس وقت کھو — ملا جا کہ عاروس سون ایک ہو (مثنوی)

خاکی نے جگہ جگہ رومیؒ کا اتباع کیا ہے، رومی اپنے پیر کے متعلق کہتے ہین :-

شمس درخارج اگرچہ ہست فرد — مثلِ او ہم می تواں تصویر کرد

لیک آن شمسے کہ شد مستش اثیر — نبودش در ذہن و درخارج نظیر

در تصورِ ذاتِ اورا گنج کو — تا درآید در تصور مثلِ او

شمس تبریزی کہ نورِ مطلق است — آفتاب ست وز انوارِ حق است

ایک جگہ اور فرماتے ہین :-

دستِ پیر از غائبان کوتاہ نیست — دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

اسی طرح خاکی پوری عقیدت کے ساتھ اپنے پیر کا درجہ بیان کرتے ہین :-

مرشد جمال اللہ ہو خاکی وہی اللہ ہو — کل شیئٍ لوجہ اللہ، ہو جا دیکھ در قرآن مجید

عین اللہ جمال اے خاکی — جس سون پایا نشان ہو حق

عین اللہ ہے جمال اللہ — خاکی اس کے قدم پہ جا جائل

جمال اللہ کون کل مین دیکھ رہنا — کفایت ہے کفایت ہو کفایت

لیکن جس طرح رومیؒ اپنے لئے بلکہ پیر کے لئے بھی شریعت مقدم سمجھتے ہین :-

رہبرِ راہِ طریقت آن بود — کو بہ احکامِ شریعت می رود

گر نباشد در عمل ثابت قدم — چون رہاند خلق را از دستِ غم

اسی طرح خاکی نے بھی صوفی کے لئے شریعت کو پہلی منزل قرار دیا ہے :-

پہنچے کا تون مقام پاوے تب — جب کرے توں عروج نہ درجات

اولاً پاک ہو شریعت سون — نفس کے دور کر توں سب خطرات

تب طریقت میں رکھ قدم اپنا — لے حقیقت کا دیکھ کر لذات،

خاکی دریا کون معرفت کے پیر — بوج عرفان مین تو بیٹھک ذات

خاکی کے تصوف کے علاوہ زبان پر بحث کرنا ضروری نہین معلوم ہوتا، کیونکہ ان کی زبان وہی ہے، جو ولی کے عہد کی ہے اور ناظرین خود بھی اندازہ لگا سکتے ہین،

گلِ رعنا

تلخیص وتبصرہ

امام غزالی غیرون کی نظرون مین

مسلم ورلڈ بابت ماہ جنوری ۴۲ء مین پرنسٹن یونیورسٹی کے ایک عیسائی اہلِ قلم کا امام غزالی پر ایک مقالہ شائع ہوا ہے، جس کی تلخیص ذیل مین درج کیجاتی ہے،

علامہ سبکی نے امام غزالی کے متعلق فرمایا ہے کہ "انھون نے دنیا کی طرف پیٹھ کر لی، اور وہ خلوت اور جلوت مین خدا کے لئے وقف ہوگئے،" غزالی نے جب دنیا چھوڑی تھی، اس وقت ان کو وہ تمام اعزاز و امتیازات حاصل تھے، جس کا ایک علامۂ اجل کے لئے حاصل کرنا ممکن تھا، نظام الملک کے دربار مین امام الحرمین کے جانشین ہوئے، مدرسۂ نظامیہ مین کوئی اور استاد ان سے زیادہ جلیل القدر تسلیم نہین کیا جاتا تھا، اور وہ امام خراسان اور امام العراق کے لقب سے مشہور تھے، طلبہ کی ایک جماعت اسباق سننے کے لئے جمع رہتی تھی، عمائدِ ملک ان کی عنایات کے محتاج رہتے تھے، ان کی شہرت اسلامی ممالک کے ہر گوشہ مین پھیل رہی تھی، سلجوقیون کا دارالسلطنت بغداد[1] گویا انہی کے زیرِ نگین تھا، لیکن پھر بھی ان کی روح کو چین اور اطمینان حاصل نہ تھا، ان کو اپنی صلاحیتون غیر معمولی ذہانت اور حیرت انگیز محنت اور مشقت کی قوت کا احساس تھا، اس احساسِ برتری مین وہ اپنے ہمعصر علماء و فضلاء کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، لیکن یکایک انھون نے دنیا چھوڑ دی، اور جاہ و شوکت، دبدبہ و حشمت اور عزت و شہرت سے بے نیاز ہو کر ایک نئی زندگی اختیار کر لی، ان کا خود بیان ہے کہ ان پر خشیتِ الٰہی ایسی طاری ہوئی کہ خدا کے سوا ہر چیز ان کے ذہن سے محو ہو گئی، جن اثرات سے ان کی زندگی کا قالب یکایک بدل گیا، ان کو انھون نے اپنی سوانحعمری المنقذ من الضلال مین قلمبند کیا ہے، وہ لکھتے ہین میری زندگی کی ابتدا ایک مقلد کی حیثیت سے ہوئی، لیکن طبیعت تحقیقات کی طرف مائل تھی، اس لئے تقلید کی بندشون سے آزاد ہو کر عقلیات کی جانب متوجہ ہوا، مگر عقلیات مین بھی شک ہونے لگا، پھر تشکیک کے بعد تصوف کا دور شروع ہوا جو عقلیات سے ماوراء ہے، اور جس مین تمام علوم عالم بالا سے حاصل ہوتے ہین، اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے ذہن کی ژولیدگی دور کر دی اور مجھ مین عقل اور توازن کا ظہور ہونے لگا، مجھکو سکون، دلائل و براہین سے حاصل نہین ہوا بلکہ ایک ایسے نور کی بدولت جس سے میرا قلب منور ہو گیا،

[1] معارف: سلجوقیون کا دارالسلطنت نیشاپور تھا،

احیاء العلوم کی ضخیم شرح کے مصنف سید مرتضیٰ کی روایت ہے کہ ایک دن امام غزالی وعظ کہہ رہے تھے، کہ اتفاق سے وہان ان کے بھائی احمد غزالی آنکلے، اور بھائی کو مخاطب کرکے یہ اشعار پڑھے،

واصبحت تھدی ولا تھتدی وتسمع وعظا ولا تسمع

تم دوسرون کو ہدایت کرتے ہو لیکن خود ہدایت نہین پکڑتے، اور وعظ سناتے ہو، لیکن خود نہین سنتے،

فیا حجر الشحذ حتے امتی تسن الحدید ولا تقطع

اے سنگِ فسان! کب تک تو لوہے کو تیز کرتا رہیگا، لیکن خود نہ کاٹیگا

یہ اشعار سنتے ہی امام غزالی دنیا سے کنارہ کش ہو گئے، اس کنارہ کشی مین انھون نے دنیا سے تو منہ موڑ لیا، لیکن فلسفۂ اخلاق کے ایسے ضوابط اور قوانین بنائے، جن کی تقلید انھون نے خود سختی سے کی، یہ فلسفۂ اخلاق احیاء العلوم کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے، لیکن

اس کا خلاصہ غزالی رح کے ایک مختصر رسالہ القواعد العشرہ مین درج ہے، جس کی تلخیص ذیل مین دی جاتی ہے،

(۱) ارادے ہمیشہ اچھے اور ان مین پائداری ہونی چاہئے، مگر ارادون مین دنیاوی اغراض وابستہ نہ ہون، اور جب کسی ارادہ مین دنیاوی غرض نہ ہو تو اس کی تکمیل کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے، لیکن اس کے نتائج کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہمیشہ محتاج رہنا چاہئے،

(۲) مقاصد مین اتحاد ہونا چاہئے، یعنی ہر مقصد کے سامنے خدا ہو، اور حصول مقصد کا ذریعہ ہر حال مین سچائی اور راستبازی ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بندگی دنیا سے علحدگی ہی مین ہو سکتی ہے، یعنی بندہ جسمانی طور سے دنیا میں رہے، لیکن روحانی حیثیت سے ایسی دنیا مین رہے جہان بقا ہو، اس دنیا میں اس کا وجود ایک رہرو یا مسافر کا ہونا چاہئے، یہ گویا توکل کی تعلیم ہو، اس توکل کا معیار یہ ہو کہ اگر کسی کو جو کی روٹی میسر ہو تو اس کو گیہوں کی روٹی کی خواہش نہ ہونی چاہئے، اور ایک مٹھی جو ہو تو سونے کی طرف بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھتا ہو اور اس توکل میں خواہ وہ کیسے ہی آلام ومصائب مین مبتلا ہو جائے، لیکن خدا کی ذات پر ہمیشہ اس کا بھروسہ قائم رہنا چاہئے، کسی حال مین بھی اس کی طرف سے اپنے دل مین شک وشبہہ کا گذر نہ ہونے دے،

(۳) سچائی کا دامن ہمیشہ ہاتھ مین رہے، اس کی خاطر عیش وعشرت اور تمام نفسانی لذتون کو چھوڑ کر مصیبت میں گرفتار ہو جانے سے گریز نہ کرتا ہو، اگر یہ درجہ حاصل ہو جائے تو سچائی کو وہ اصلی حقیقت مین دیکھنے کا عادی ہو جائے گا، اس طرح نیند مین بھی وہ بیدار رہے گا، جلوت مین بھی اوس کو خلوت نظر آئے گی، تنہا مین بھی آسودگی محسوس ہوگی، اور اس کو سارے اعلیٰ امتیازات اور ادنیٰ درجہ کے اوصاف معلوم ہون گے، اسکی تقریریں بھی خاموشی نظر آئینگی، اور زیادتی کمی سے بدل جائیگی،

(۴) کسی شخص کے وہم تفاخر اور غرور کی ایک بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے عقائد مین راسخ نہین ہوتا ہے، اس لئے اخلاق کا ایک اہم جزء راسخ العقیدگی ہے، بدعت سے عقیدہ مین پختگی پیدا نہین ہوتی ہے، اس لئے اصول روایات کی پابندی ضروری ہے، غزالی رح ایک آزاد مفکر تھے لیکن انھون نے مقررہ اصول وروایات کی پابندی کی دعوت دی، حالانکہ عملاً وہ خود روایات کی پابندی سے آزاد تھے، لیکن یہ خیال رکھنا چاہئے کہ غزالی کا تعلق عوام کی تعلیم سے تھا، اور عوام کی آزادانہ راے اور فکر پر ان کو اعتماد نہین تھا، اس لئے وہ راے کی انفرادی کے بجاے مستند روایات کی تقلید کو زیادہ بہتر سمجھتے تھے،

(۵) غزالی رح کام میں تعویق والتوا کسی حال مین بھی پسند نہیں کرتے تھے، انھون نے عمل مین عزم کے ساتھ سرگرمی کی تلقین کی،

(۶) بندون کو ہمیشہ اپنے عجز کا احساس رکھنا چاہئے، یعنی یہ خیال ہمیشہ جاگزین رہنا چاہئے، کہ وہ محض لاچار اور عاجز بندے ہین، ان کے ذریعہ سے جو کچھ ہوتا ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی عمل میں لاتا ہے، لیکن اس احساس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہین، کہ وہ کاہل ہو جائین اور آزادانہ طور سے کام بجالانے سے غافل رہین، بلکہ اس احساس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ خاکسار اور متواضع ہوں، اور بنی نوع انسان کی عزت اور عظمت اون کے دلون مین ہو،

(۷) بندوں کو اپنی نجات کی امید اپنے عمل سے نہین، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے رکھنی چاہئے، نجات اسی کی رحمتون اور برکتوں سے ملتی ہے، پال[1] نے بھی یہی تعلیم دی

[1] معارف:- پال اور امام غزالی کی تعلیم مین جو اسلام ہی کی تعلیم ہے، آسمان وزمین کا

ممکن ہو غزالی نے پال کی تعلیمات سے استفادہ کیا ہو، یا دونوں اپنے مذہبی تجربات سے اسی نتیجہ پر پہونچے ہوں،

(۸) اصلی زندگی وہ ہے جو ریاضت اور عبادت میں گذرتی ہے، ریاضت اور عبادت کے بغیر روحانیت حاصل نہیں ہوتی،

(۹) مسلسل ریاضت وعبادت سے مراقبہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جس سے ایک بندہ پر احوال طاری ہوتے ہیں، اس طرح اس کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی چیز نہیں رہ جاتی، اور وہ صرف ایک ہی حقیقت دیکھتا ہے، اور وہ جو کچھ دیکھتا ہے، تو خدا ہی کے ذریعہ سے دیکھتا ہے، اور جو کچھ محسوس کرتا ہو، خدا ہی کے واسطہ سے محسوس کرتا ہے، لیکن ان کیفیات کے باوجود وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بہت ہی اخلاق اور تواضع کے ساتھ پیش آتا ہے،

(۱۰) ایک بندہ کے علم کی شان یہ ہے کہ اس میں تقدیس ہوتا کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مشاہدہ کرسکے، اور اس تقدیس کی پابندی ظاہر اور باطن دونوں میں ہو، چنانچہ اعمال حسنہ میں ہر حال میں مداومت واستقلال ہونا چاہئے، اعمالِ حسنہ کے بغیر ایک بندہ محاسن اخلاق سے بالکل عاری ہے،

"م۔ع"

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۳) فرق ہے، پال کی تعلیم یہ ہے کہ شریعت گناہ ہے، صرف ایمان کافی ہے اور یہ کہ کوئی عمل کے ذریعہ سے نجات نہیں پائے گا، بلکہ مسیح پر ایمان لانے سے (رومیوں ۲:۲) اور امام غزالی کی تعلیم یہ ہے کہ شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے، مگر نجات اور فلاح کو اپنے عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ خدا کے فضل کا،

پولینڈ کے مسلمان

ایشیاٹک ریویو بابت ماہ جولائی ۱۹۷۱ء کے ایک مقالہ نگار کا بیان ہے، کہ ۱۳۸۶ء سے ۱۷۹۵ء تک لتھونیا پولینڈ کا ایک جزء تھا، لتھونیا میں تاتاری مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ہے، جن کی مجموعی تعداد پندرہ ہزار بتائی جاتی ہے، ان کا ایک بڑا مرکز ولنو میں ہے، جب پولینڈ سے لتھونیا علحدہ کیا گیا، تو تاتاری مسلمان بہت سیاسی اور مذہبی مشکلات میں گرفتار ہوگئے، ۱۵۶۸ء کے آئین کے رو سے وہ نہ کسی عیسائی کو ملازم رکھ سکتے تھے، نہ کوئی نئی مسجد تعمیر کرسکتے تھے، نہ پرانی مسجد کی مرمت کرا سکتے تھے، اشاعتِ اسلام کی سزا موت تھی، ۱۶۱۵ء کے آئین کے مطابق کسی عیسائی لڑکی سے شادی نہیں کرسکتے تھے، اب تک وہ اپنے سرداروں کے ماتحت ہوتے تھے، لیکن قانوناً اس سرداری کے نظام کا بھی خاتمہ کردیا گیا، ۱۶۲۰ء میں جب پولینڈ اور ترکی میں جنگ چھڑی تو ان تاتاری مسلمانوں کی حالت اور بھی بدتر ہوگئی، جائداد میں ان کے حقوق بہت ہی محدود کردیئے گئے، اس ظلم وستم سے گھبرا کر وہ لوگ کریمیا اور ترکی ہجرت کرنے لگے، یہ صورت دیکھکر پولینڈ کی حکومت نے اپنے رویہ میں تبدیلی کی، اور ۱۶۵۹ء کے آئین نے ان کو ان کے پرانے حقوق دینے کی کوشش کی، پولینڈ کے اہلِ قلم نے ان کی وفاداری کو سراہنا شروع کیا اور مسلمانوں نے بھی اپنے اس وطن کا پورا حق خدمت ادا کیا، چنانچہ کارکو یونیورسٹی کا ایک پروفیسر اپنی کتاب "دی مسلمز" میں لکھتا ہے، کہ "پولینڈ کے تاتاریوں نے اپنے وطن کی فدائیانہ خدمت شجاعانہ حد تک کی ہے"،

ان تاتاریوں کا بڑا مرکز ولنو میں ہے، وہاں ان کا ایک مفتی رہتا ہے، اس شہر میں ان کے ثقافتی نظام کے بہت سے مرکزی دفاتر بھی ہیں، وارسا میں ان کی تعداد کم ہے، لیکن یہاں سے

بہت سے مسلمان ہین، جو سوویٹ روس، کریمیا، قازان، کوہ قاف اور یورپ کے مختلف حصون
سے آکر آباد ہوگئے ہین، ایرانی اور ترک بھی ہین، جو مختلف چیزون کی تجارت کرتے ہین، بیسوین
صدی کے آغاز مین نامعلوم اسباب کی بنا پر پولینڈ کے بہت سے مسلمان نیو یارک مین مستقل طور پر سکونت پذیر
ہوگئے، لیکن انھون نے پولینڈ سے بھی اپنا تعلق قائم رکھا، چنانچہ جنگ عظیم مین جب پولینڈ کی مسجدون
کو نقصان پہنچا تو نیو یارک کے ان مسلمانون نے ان کی مرمت کے لئے بڑی بڑی رقمین بھیجین،

پولینڈ کے مسلمانون کے اپنے جرائد و رسائل بھی ہین، "اسلامک ریویو" ان کا ایک سہ ماہی
رسالہ ہے، جو وارسا سے شائع ہوتا ہے، یہ رسالہ اسلامی ممالک کے مسلمانون سے تعلقات پیدا
کرنے کی کوشش کرتا ہے، ولنو سے ایک ماہانہ رسالہ "تاتار لائف" نکلتا ہے، یہ زیادہ تر مسلمانون
کے مقامی حالات و کیفیات پر تبصرہ کرتا ہے، سال مین ایک Tatar Year Book بھی شائع ہوتی ہے، جس مین زیادہ تر تمدنی اور ثقافتی مسائل پر ریویو
ہوتا ہے،

پولینڈ کے مسلمانون کے یہ حالات جرمنون کے حملے سے پہلے کے ہین، "ص ع"

الفاروق

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، عراق و شام و مصر و ایران
کے فتح کے واقعات حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی علمی تعلیم کا شاندار منظر،
یہ کتاب مولانا شبلی کی بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، مطبع معارف نے نہایت اہتمام
سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے، جس کے ساتھ دنیاے اسلام کا رنگین نقشہ بھی شامل
ہے، طباعت و کاغذ، نہایت عمدہ، قیمت سے، ضخامت :- ۳۱۲ صفحے

"مینیجر"

اخبار علمیہ

سات سمندر

آکسفورڈ انگریزی ڈکشنری مین سات سمندرون کے نام یہ ہین، بحر شمالی، بحر جنوبی، شمالی
بحر اوقیانوس، جنوبی بحر اوقیانوس، شمالی بحر الکاہل، جنوبی بحر الکاہل اور بحر ہند، مذکورہ بالا لغت
کا بیان ہے کہ سات سمندر کی اصطلاح سب سے پہلے عمر خیام کی رباعیات مین ملتی ہے، لیکن اگست
۱۹۴۱ء کے جیوگرفیکل جرنل کے ایک مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ اصطلاح عمر خیام کی پیدائش سے بلکہ
اس سے پہلے عرب اور ایران کے قدیم جغرافیہ نویسون مین سمندرون کی تعداد بتانے کا عام رواج
تھا، چنانچہ عمر خیام سے دو سو برس پہلے مسعودی نے لکھا ہے، کہ ان سمندرون کی تعداد جو دنیا
کے آباد حصون سے گذرتے ہین، چار بتائی جاتی ہے، لیکن اس تعداد مین جغرافیہ دانون کا اختلاف
ہے، بعض کے نزدیک پانچ، بعض کے نزدیک چھ اور بعض کے نزدیک سات ہین، سب ایک دوسرے سے علٰحدہ ہین اور ان
مین باہم آمد و رفت کا راستہ نہین ہے، یہ سمندر حسب ذیل ہین، بحر حبش، بحر روم، بحر نیطاس
(Sea of Azov) بحر مایوطیس (بحر اسود) بحر خضر اور بحر محیط جس کے حدود کی کوئی
انتہا نہین، مسعودی کا بیان ہے کہ بحر نیطاس، بحر مایوطیس اور بحر روم ایک دوسرے سے ملے
ہوئے ہین، اس لئے دراصل مستقل چار سمندر ہین، مسعودی نے بحر ہند کو بھی سات حصون مین
تقسیم کیا تھا،

ایک نامعلوم ایرانی مصنف نے حدود العالم کے نام سے ۹۸۲ء میں ایک جغرافیہ لکھا تھا، اس کو روسی، منورسکی نے اڈٹ کرکے شائع کیا ہے، اس مین بھی سات سمندر کے نام بتائے گئے، بحرِ مشرق، بحرِ مغرب، بحرِ اعظم، بحرِ روم، بحرِ خضر، بحرِ جارجنیا اور بحرِ خوارزم،

یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ایرانیون نے سات سمندر کی اصطلاح کو اتنی کیون اہمیت دی، شاید یہ خیال چینیون سے لیا گیا ہو کیونکہ ان کے یہان افلاک کی تعداد سات ہی ہے، اور بیت کی بعض روایتین بھی اسی چینی تخیل سے متاثر ہین،

یہ بھی عجیب بات ہے کہ چینی مختلف رنگون کو مختلف سمتون سے منسوب کرتے ہین، سبز کا انتساب مشرق سے، سرخ کا جنوب سے، سفید کا مغرب سے اور سیاہ کا شمال کی سمت سے ہے، شاید اسی مناسبت سے ایرانی اور ترک بحرِ جنوب کو بحرِ احمر، بحرِ روم کو بحرِ ابیض اور بحرِ ... کو بحرِ اسود کہتے ہین، مسعودی بحرِ محیط کو بحرِ اخضر بھی کہتا ہے، جو شاید اس نے چین کے مشرقی سمندر کے لئے استعمال کیا ہو، ان باتون سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سات سمندر کی اصطلاح چینیون کے تخیل سے ماخوذ ہو،

ہنری مارٹین اسکول کا شعبۂ اسلامیات

عیسائی گرجون کے ایک فرقہ United Presbyteranchurch نے گیارہ سال پہلے مذکورۂ بالا نام سے لاہور مین ایک شعبہ اس غرض سے قائم کیا تھا، کہ اسلامیات کا مطالعہ کرکے مسلمانون کے مذاق کے مطابق انھیں عیسائی مذہب کا پیام پہونچایا جائے، اسی سلسلہ مین شعبۂ مذکور نے حسب ذیل کتابین انگریزی زبان مین شائع کی ہین "اہلِ مسجد" "تصوف" اور "اسلام مین عورتین" اب یہ شعبہ لاہور سے علی گڈہ منتقل کر دیا گیا ہے، اور اس کے پرنسپل ڈاکٹر ڈونالڈسن مقرر ہوئے ہین، انھون نے ایران مین تیس سال تک تبلیغی کام کیا ہے، اور عیسائیون مین اسلامیات پر ان کی نظر وسیع سمجھی جاتی ہے، وہ ایک کتاب شیعہ مذہب کے مصنف بھی ہین،

جامعۃ بیت المقدس

بیت المقدس کی مشہور عبرانی یونیورسٹی مین موجودہ جنگ کی وجہ سے غیر معمولی ترقی ہو رہی ہے، چنانچہ جنگی ضروریات کے پیش نظر بیت المقدس کی سب سے بڑی پیداوار سنترون کو زیادہ دنون تک محفوظ رکھنے لئے ایک ایسا کیمیاوی غلاف ایجاد کیا گیا ہے جس کو سنترون پر لپیٹ دینے کے بعد وہ عرصہ تک اپنی اصلی حالت پر قائم رہتے ہین، اور دور دراز ممالک کو بھیجنے مین کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی، اسی شعبہ نے ایک پودہ دریافت کیا ہے، جس کے ریشون سے کپڑا تیار کیا جا سکتا ہے، شعبۂ کیمیا پودون سے Cellulose تیار کر رہا ہے، شعبۂ طب نے ٹائیفائڈ کا ایک تریاق تیار کیا ہے، جس کی تحقیقات اور آزمائش کے لئے ایک ترک عالمِ جراثیمیات بھیجا گیا ہے، ۱۹۴۱ء مین اس یونیورسٹی مین ۲۰۰ طلبہ داخل ہوئے ہین، ان مین زیادہ فلسطینی ہین، اور کچھ مشرقی یورپ کے اور دس بارہ عرب بھی ہین، گذشتہ موسمِ سرما مین یونیورسٹی مین "مشرقِ قریب کے عربون کی ثقافتی زندگی" پر کئی لکچر دیئے گئے ہین،

(ص - ع)

بَابُ التَّقرِیظِ وَالانتِقَاد

رسالون کے خاص نمبر

ترجمان القرآن اشاعتِ خاص مرتبہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ :- مبارک پونچھ روڈ لاہور۔

ترجمان القرآن کی تین اشاعتون کو یکجا کرکے یہ خاص نمبر بنا دیا گیا ہے، اگرچہ اس نمبر مین کل پانچ مضمون ہین، لیکن فائدہ کے لحاظ سے پورا نمبر پڑھنے کے لائق ہے، مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کے قلم سے مولٰنا حمید الدین مرحوم فراہی کے مشہور مقدمہ تفسیر القرآن کا ترجمہ، تفسیر القرآن پر غور وفکر کرنے والون کے لئے خاص طور سے مفید ہے، جناب سید محمد نواز صاحب ایم اے نے اسلامی تعلیمات کی رو سے اس زمانہ کے اس غلط مگر عامۃ الورود خیال کو کہ "مذہب سے انسان کا تعلق محض ذہنی اور عقلی حد تک ہی اور اس کا اثر اسکی پرائیوٹ زندگی تک محدود ہے" دلنشین انداز مین دور کرکے دکھایا ہے، کہ دین کا تعلق محض ذہنی نہین ہی، بلکہ اسکی اصلی روح اسکے ساتھ قلبی اور جذباتی شیفتگی مین مضمر ہے، مولٰنا سید فضل اللہ نے "فریضۂ جہاد" کے عنوان سے مسلمانون کو ایک فراموش سبق "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی طرف توجہ دلائی ہے، مولٰنا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے خاص رنگ مین اسلامی نقطۂ نظر سے انسانون کے اقتصادی مسائل کا حل

پیش کیا ہی، مولانا ابوالاعلیٰ کے مجموعۂ مضامین "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم" پر مولوی ذکاء اللہ صاحب کا تبصرہ غور وتامل سے پڑھنے کے لائق ہی،

علی گڈہ میگزین احسن نمبر، مرتبہ جناب محمد مجتبیٰ حسن صاحب ایم اے علیگ۔ تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہین، پتہ :- مسلم یونیورسٹی علی گڈہ۔

اردو زبان کے نامور شاعر جناب احسن مارہروی مرحوم جس درجہ کے شاعر تھے اسی درجہ کے زبانِ اردو کے محقق بھی تھے، اور اس حیثیت سے اردو شعراء مین ان کا درجہ بہت بلند تھا، ان کی ساری عمر زبان کی خدمت مین گذری وہ داغ کی یادگار اور اسی اسکول کے پیرو تھے، لیکن انکی شاعری نئے اثرات سے بھی خالی نہین ہی، زبان کی صحت اور قواعد کی پابندی مین بڑا اہتمام تھا، مسلم یونیورسٹی کے استاد بھی رہ چکے تھے، اس لئے اس پر ان کا دہرا حق تھا، میگزین نے یہ نمبر نکال کر اس حق کو ادا کیا ہے، اس مین مرحوم کے حالات وسوانح اخلاق وسیرت، شاعری اور علمی وادبی خدمات ہر پہلو پر مضامین ہین، غلام مصطفیٰ خانصاحب، محمد رضا علی خانصاحب، جناب راز سہسوانی، ابو اللیث صاحب صدیقی، ضیاء احمد صاحب بدایونی اور رشید احمد صاحب صدیقی کے مضامین خاص طور سے بہت اچھے ہین، یادگار کے طور پر خود جناب احسن مارہروی مرحوم کا ایک پرانا مضمون "ریویو" جو رسالہ فصیح الملک ۱۹۰۵ء مین نکلا تھا شامل کر دیا گیا ہے، یہ مضمون آج بھی آزادی پسند ادیبون کے پڑھنے کے لائق ہے،

سالنامہ نظامیہ مرتبہ مولٰنا ابوالخیر صاحب کنج نشین تقطیع بڑی ضخامت ۱۹۶ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی، قیمت :- عہ :- پتہ دفتر نظامیہ حسینی علم حیدرآباد دکن،

گذشتہ فروری میں حیدرآباد دکن کی مشہور اور قدیم عربی درس گاہ مدرسۂ نظامیہ کا یوم تاسیس منایا گیا تھا، مدرسہ کے ترجمان رسالۂ نظامیہ نے اس نمبر مین اسکی روداد شائع کی ہے، اس مین خطبۂ صدارت اور اجلاس کی رودادون کے علاوہ مدرسہ کی ۷۰ سالہ سرگذشت اور وہ علمی و مذہبی مقالے بھی ہین، جو یوم تاسیس کے موقع پر پڑھے گئے تھے، اس سے اس نمبر مین علمی شان پیدا ہو گئی ہے، مقالون مین "عربی تعلیم و مدارس کی اصلاح" پر مولنا سید محمد شاہ صاحب شطاری کا مضمون عربی کے طلبہ و اساتذہ دونون کے غور سے پڑھنے کے لائق ہے، "شعر العرب" مولوی محمد ہبۃ اللہ صاحب "زبان عربی اور اسکی اہمیت" مولوی محمد منیر الدین صاحب "آزادی نسوان اور مسئلۂ حجاب" مولوی محمد علی صاحب مفید مقالے ہین،

ایشیا مکاتیب نمبر (ج اول) مرتبہ جناب ساغر نظامی تقطیع اوسط ضخامت ۲۴۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت:- عہ، پتہ:- ادبی مرکز میرٹھ،

اردو مین ہندوستان کے اکابر کے خطوط کے متعدد مجموعے موجود ہین، جناب ساغر نے یہ جدت کی ہو کہ اپنے نام دوسرون کے خطوط کا یہ مجموعہ مرتب کیا ہو، اس مین بڑا حصہ موجودہ دور کے نوجوان شعراء اور ادیبون کے خطوط کا ہو، تبرکًا بعض علماء اور سیاسیین کے بھی چند خطوط ہین، مکاتیب کی مجموعی تعداد کئی سو تک پہنچ جاتی ہے، جناب مرتب نے اپنے ساتھ نسبت کے اعتبار سے ان خطوط یا لکھنے والون کے مختلف مدارج قائم کئے ہین، مثلًا یاران میکدہ میں شعراء اور ادباء ہین، پیارون کی بزم خاص مین خواجہ حسن نظامی اور جناب سیماب کو جگہ دیگئی ہے، یہ مجموعہ اپنے تنوع اور بوقلمونی کے اعتبار سے بہت دلچسپ ہے، اور اس مین رنگ برنگ کے جلوے نظر آتے ہین، بعض خطوط اپنے اندر اہلِ نظر کے لئے بڑی دلچسپی کا سامان رکھتے ہین، معلوم نہین ساغر صاحب نے نسوانی مکاتیب کو استفہامیہ نشان لگا کر کیون چھوڑ دیا، مردون کے خطوط تو انکے شاعرانہ اوصاف

کمال کی سند ہین، لیکن اسکی تاثیر کا نتیجہ تو نسوانی خطوط مین نظر آتا،

اضطراب مرتبہ جناب مسعود اختر جمال صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۲۳۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ/۱۲، پتہ دفتر اضطراب پانڈے حویلی بنارس،

یہ رسالہ عرصہ سے ایک خوش مذاق نوجوان مسعود اختر جمال کی ادارت مین بنارس سے نکلتا ہے، اور ادبی حیثیت سے عام رسالون سے بلند ہے، اس کا یہ امتیاز اس خاص نمبر مین بھی قائم ہے، اس مین ادب اور افسانے کے ساتھ اور سنجیدہ ادبی و تنقیدی مضامین کا بھی معتد بہ حصہ ہے، علمی مضامین سے بھی خالی نہین، ادبی و تنقیدی حصہ مین "غالب اردوے معلیٰ کے آئینہ مین" ابو مسلم صاحب ایم اے علیگ "میری شاعری" فراق گورکھپوری، "ادب کا نیا نظام" ل احمد صاحب "غالب کی ہیرئن" مالک رام صاحب خوش مذاقی سے لکھے گئے ہین، افسانون کا حصہ بھی ستھرا ہے، علی عباس صاحب حسینی "ذکیہ خاتون" وجاہت حسین صاحب سندیلوی، راحت سعید خواجہ غلام السیدین اور مرزا فرحت اللہ بیگ کے افسانے، خاص طور سے دلچسپ ہین، نظمون کا حصہ بھی قابلِ لحاظ ہے، لیکن نئے ادب کی بے اعتدالی کی جھلک اس میں بھی پائی جاتی ہے، پرانے ادب کی اصلاح شوق سے کیجئے، لیکن اس کو مٹا کر کسی ادب کا راستہ نہیں مل سکتا، اس سلسلہ مین ل احمد صاحب کا مضمون البتہ سنجیدہ ہے،

ساقی، مرتبہ جناب شاہد احمد صاحب دہلوی تقطیع بڑی، ضخامت ۴۰۰ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ/۱ پتہ دفتر ساقی دہلی،

یہ نمبر ضخامت افسانون کے تنوع اور کثرت کے اعتبار سے پوری کتاب ہو، مشاہیر افسانہ نگارون کے کئی درجن افسانے فراہم کئے گئے ہین، نمک کے طور پر بعض سنجیدہ مضامین بھی نظر آتے ہین، "سلطانہ رضیہ کی پاکدامنی" پر ڈاکٹر شادانی کا مضمون محققانہ ہے، پروفیسر

محمد مسلم کے قلم سے "دیسی زبان کی ترقی کے وسائل" پر دلچسپ اور سنجیدہ تبصرہ ہے، مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی کے قلم کا ایک ادبی تبرک "اکیسوں بادشاہ تغلق کا آسمان پر چڑھنا" بھی موجود ہے، افسانوں میں بھول بھلیان "عصمت چغتائی" "بے پر کی" "ادارہ" "سپاڑہ کا صنم" ظفر قریشی دہلوی، "لندن سے آداب عرض" آغا محمد اشرف، "سامان جنگ" قیسی رامپوری "چراغ کے نیچے" وجاہت سندیلوی زیادہ دلچسپ اور پسندیدہ ہیں، البتہ مختلف افسانوں کی زبان میں کہیں کہیں مخمل میں ٹاٹ کے پیوند کا منظر نظر آتا ہے، آغا محمد اشرف اور ادارہ کی پاکیزہ زبان کو پڑھنے کے بعد بعض افسانوں کی بہت کم زبان کو پڑھ کر ذوق کو سخت دھکا لگتا ہے، اگر شاہد صاحب خود بیرونی افسانہ نگاروں کی زبان پر نظر ڈال لیا کریں، تو ساقی کے ناظرین اس ادبی جراحت سے محفوظ رہیں،

سہیل، مرتبہ جناب عارف سنہاروی و قیصر عثمانی، تقطیع بڑی ضخامت ۲۷۲ صفحے، کاغذ کتابت، و طباعت قیمت عہ، پتہ: شمسی پریس گیا،

یہ سالنامہ بھی مضامین کے تنوع دلچسپی اور معلومات ہر لحاظ سے قابل قدر ہے، تفریحی لٹریچر کے ساتھ مفید اور سنجیدہ معلومات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، "موازنہ مومن و غالب" عطاء اللہ صاحب پالوی، "دقیقی و فردوسی" پروفیسر طاہر رضوی، "دکن میں نواب داؤد خان قریشی کے کارنامے" سید رضا قاسم مختار "فخر الدولہ" سید حیات حسین طباطبائی، اور "الف" جناب سید وصی احمد صاحب بلگرامی اچھے مضامین ہیں، موازنہ میں البتہ کہیں کہیں غالب پرستی کی جھلک ہے، حاجی نبی احمد صاحب بریلوی کے نئے ادب میں الفاظ زیادہ اور حقیقت کم ہے، افسانوں میں "دو مائیں" اختر اورینوی "فرض" پیارے لال شاکر میرٹھی "نقاب" اختر قادری ایم اے تھرے ہیں، ڈرامہ "رقاصہ کی محبت" بھی دلچسپ ہے،

عالمگیر سالنامہ مرتبہ حافظ محمد عالم صاحب تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت: عہ، پتہ:- دفتر عالمگیر بازار سید مٹھا لاہور،

عالمگیر نے بھی اپنی روایات کے مطابق مفید و سنجیدہ مضامین اور دلچسپ افسانوں کا مجموعہ پیش کیا ہے، سنجیدہ علمی و ادبی مضامین میں، "فسانہ عجائب کی بعض اہم خصوصیات" خواجہ مسعود علی ذوقی "سلطان ٹیپو کی رواداری" پروفیسر سالک "ملا عبد القادر بدایونی اور علامہ آزاد" حامد حسن صاحب قادری، مفید مضامین ہیں، مولانا آزاد عجم پرستی میں فردوسی ثانی تھے، اور اس غلو میں وہ کبھی کبھی انشا پردازی کے پردہ میں مذہب پر بھی چوٹ کر جانے میں باک نہ کرتے تھے، ان کی کوئی کتاب اس زہر سے خالی نہیں ہے، حامد حسن صاحب نے ابھی صرف ایک فرض ادا کیا ہے، ضرورت ہے کہ ارباب علم و نظر آزاد کی گپ بازی کی طرح ان کی عجم پرستی کا پردہ بھی فاش کریں، افسانوں میں "چیستان" فضل حق صاحب قریشی "من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال" جمیل احمد صاحب "دو شیزاؤں کی سرائے" علی احمد صاحب دلچسپ ہیں، خیال آتا ہے کہ "رومیو جولیٹ" کا ترجمہ ساقی کے کسی نمبر میں مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی کے قلم سے نکل چکا ہے،

ہندوستانی ادب نیا سال نمبر } مرتبہ جناب غلام محمد خانصاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۱۱۱ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت، عہ پتہ ہندوستانی ادب چنچل گوڑہ حیدر آباد دکن،

ہندوستانی ادب حیدر آباد کے اچھے رسالوں میں ہے اس کا یہ خاص نمبر بھی اپنے سنجیدہ مضامین اور مفید معلومات کے لحاظ سے قابل قدر ہے، بقدر اعتدال شعر و ادب کی چاشنی بھی موجود ہے، "فصلی سنہ کی کہانی" لالہ جواہر لال "سطح قریہ جند عرب اور عجم کے مجنون کے نام" عبد الرحمن خانصاحب سابق صدر کلیہ ہندسی زبان کی تاریخ پر ایک نظر" رشید الحسن صاحب ایم اے مفید مضامین ہیں، افسانوں میں ایم اسلم صاحب کے "ہفوات" دلچسپ ہیں، لیکن اردو زبان کی خدمت کے دعوی کے ساتھ انجمن ترقی اردو

کی مخالفت بچھ مین نہین آئی، کسی مسئلہ مین سنجیدگی کے ساتھ اختلاف بُرا نہین ہی، لیکن ذاتی اختلاف کی بنا پر ایک مفید اور کام کرنے والے ادارہ کو بدنام کرنا کونسی ادبی خدمت ہے، مولوی عبد الحق صاحب اور انجمن ترقی اردو کے خدمات اتنے ظاہر اور مسلّم ہین، کہ ان مخالفتون سے خود اپنے وقار کو گھٹانے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہین،

ہمایون سالگرہ نمبر، مرتبہ جناب میان بشیر احمد صاحب تقطیع بڑی، ضخامت ۹۵ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، قیمت :- ۱۲- پتہ دفتر ہمایون لارنس، روڈ لاہور،

ہمایون کا سالگرہ نمبر گو مختصر اور سالنامون کی ظاہری رسمیات سے خالی ہے، لیکن جو کچھ بھی ہے، وہ حشو وزوائد سے پاک ہے، میان بشیر احمد صاحب کے قلم سے حسب دستور اردو کی سالانہ سرگذشت اور ۱۹۴۱ء کے حوادثِ عالم پر تبصرہ ہے، قیامِ کراچی کے حالات دلچسپ ہین، فلک پیما کا افسانہ "لاڈ" بہت خوب ہے،

پیامِ تعلیم، مرتبہ مولوی حسین حسان صاحب ندوی، تقطیع بڑی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت معمولی قیمت :- ۸ر پتہ :- دفتر پیامِ تعلیم جامعہ ملیہ، قرولباغ نئی دہلی،

اس مرتبہ پیامِ تعلیم کے سالنامہ مین بچون کے جغرافی معلومات کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہی، مضامین کا بڑا حصہ اسی سے متعلق ہے، اور مختلف قسم کے خشک جغرافی معلومات کو نہایت دلچسپ طریقہ سے پیش کیا گیا ہے، بچون کی تفریح اور دلچسپی کے سامان سے بھی خالی نہین ہے، بچون کا یہ سالانہ علمی تحفہ ان کے لئے مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی،

مطبوعات جدیدہ

نصرۃ الحدیث مولفہ جناب مولنا حبیب الرحمن صاحب اعظمی تقطیع اوسط ضخامت ۲۱۴ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر قیمت :- عہ پتہ :- محمد ایوب صاحب ناظم مدرسہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ،

یاد ہش بخیر جناب حق گو نے عرصہ ہوا حدیث کی مخالفت مین ایک رسالہ لکھا تھا، اسی زمانہ مین ان کے ایک اور ہم مشرب چغتائی نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی تھی، ان دونون رسالون مین منکرین حدیث کے بارہا کئے ہوئے اعتراضات دہرائے گئے تھے، کہ اصل چیز کتاب اللہ ہے، اسکی موجودگی مین کسی دوسری چیز کی ضرورت نہین، آنحضرت صلعم نے کتابت حدیث کی ممانعت فرمائی تھی، صحابہ نے حدیثین نہین لکھین، آنحضرت صلعم کے کئی صدیون بعد ان کی تدوین ہوئی، اتنے عرصہ مین بہت کچھ تغیر وتبدل ہوسکتا ہی، محدثین نے حکومت کے اثر سے ان کے مصالح کے خاطر حدیثین وضع کین، حدیثون مین ایسے واقعات ملتے ہین، جنھین صحیح مان لینے سے مذہب اسلام، کلام اللہ، آنحضرت صلعم صحابۂ کرام یا اسلامی تعلیمات کے کسی پہلو کے متعلق شکوک واعتراضات پیدا ہوتے ہین، اس لئے حدیثین سرے سے ناقابل اعتبار ہین، مولانا حبیب الرحمن اعظمی صدر مدرس مفتاح العلوم مئو نے اسی زمانہ مین ان اعتراضون کے جواب مین نصرۃ الحدیث لکھی تھی، اب مزید اضافہ وتکمیل کے بعد انھون نے اس کتاب کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہی، اس مین ان تمام اعتراضون کا نہایت محققانہ اور مسکت جواب ہی اور کلام اللہ سے قول رسول

حجیت اور اوس کے واجب العمل ہونے کا ثبوت آنحضرت صلعم کی زندگی مین آپ کی اجازت سے کتابت حدیث کا آغاز اور اس کے بعد صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانون مین کتابت و اشاعت حدیث کی تاریخ حفظ و روایت حدیث مین ان بزرگون کا اہتمام حکومت کے مقابلہ مین ان کی آزادی اور حق پرستی وغیرہ کو دکھانے کے بعد معترضین کی پیش کردہ حدیثون پر تفصیلی بحث کرکے دکھایا ہے، کہ ان اعتراضات مین حدیثون کا نہین، بلکہ معترضین کے فہم اور ان کے علم کا قصور ہے، جابجا انکی تدلیس اور خیانت کا پردہ بھی فاش کیا ہو، ان مباحث کی تفصیل مین منکرین کے اعتراضون کے جواب کے علاوہ حدیث کے متعلق بہت سی مفید معلومات آگئے ہین، یہ رسالہ ان تعلیم یافتہ لوگون کے خاص طور سے مطالعہ کے لائق ہو، جن کے دلون مین حدیث کے متعلق شکوک وشبہات ہون،

میر محمد مومن مولفہ ڈاکٹر محی الدین زور قادری تقطیع اوسط ضخامت ۳۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ سب رس کتاب گھر خیریت آباد حیدر آباد دکن،

قطب شاہی عہدہ دارون مین میر محمد مومن استر آبادی کی بڑی جلیل القدر شخصیت تھی وہ ایران کے ایک ممتاز خاندان سیادت سے تھے، جس کا سلاطین قاچاریہ تک احترام کرتے تھے، میر صاحب سلطان محمد قطب شاہ کے زمانہ مین دکن آئے، وہ خاندانی شرافت ونجابت کے ساتھ مختلف کمالات کے جامع تھے، اس لئے سلطان نے ان کی بڑی قدردانی کی، اور دکن مین انکو بڑا عروج حاصل ہوا، سلطان محمد قطب قلی شاہ اور سلطان محمد قطب شاہ دو فرمانرواؤن کے زمانہ مین پیشوائی کے منصب پر جو حکومت کا سب سے بڑا عہدہ تھا، فائز رہے، اپنے زمانہ پیشوائی مین انھون نے بہت سے مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی کارنامے انجام دئیے، حیدر آباد کی تعمیر و ترقی میں ان کا بڑا حصہ ہو، ان کے آثار اب تک حیدر آباد اور اس کے نواح مین موجود ہین،

ڈاکٹر محی الدین نے اس کتاب مین تفصیل کیساتھ اس جلیل القدر شخصیت کے حالات اور کارنامون کو پیش کیا ہے، میر صاحب کی شخصیت اتنی اہم تھی، اور حکومت کے تمام شعبون سے ان کا اتنا گہرا تعلق تھا، کہ ان کے حالات مین دونون بادشاہون کے عہد کی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات آگئے ہین، اور یہ کتاب میر صاحب کی سوانحعمری کے ساتھ ایک حد تک ان کے زمانہ کے قطب شاہی دور کی تاریخ بن گئی ہے، کتاب مین میر صاحب کے آثار کے متعدد فوٹو بھی ہین،

سازِ شکستہ جناب مولوی رشید اختر صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ و کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ :- اردو بک اسٹال لاہور،

جناب مولوی رشید اختر صاحب ندوی روشناس لکھنے والون مین ہین، اس کتاب سے انکی ایک نئی صلاحیت کا علم ہوا، یہ ایک اصلاحی اور رومانی افسانہ ہی، جس مین امراء کی مترفانہ زندگی، تاجرانہ اخلاق اور خود غرضی اور دولت وامارت کے گہوارہ اور آزادی کی آب و ہوا مین پلی ہوئی لڑکیون کی بے باکی، بے راہ روی اور اس کے بُرے نتائج اور غریب اہل علم کی پر محن زندگی اور بلندی اخلاق کو خوبی کے ساتھ دکھلایا گیا ہے، نواب محمود، سرور، ان کی بہن سلمیٰ اور ان کا غریب صاحب علم اور بلند نظر دوست؛ مذکورۂ بالا تینون کردارون کی خصوصیات کے پورے مظہر ہین اس افسانہ کو موجودہ اصطلاح مین ترقی پسند ادب سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہی لیکن اسمین اس کی خوبیان تو موجود ہین، اور برائیون سے پاک ہی،

امیر مینائی مولفہ جناب شاہ ممتاز علی صاحب آہ تقطیع بڑی ضخامت ۳۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عار، پتہ شاہ محمد عبد الباری صاحب چیف کورٹ لکھنو اور عثمان الزمان صاحب بذریعہ جناب صدیق الزمان صاحب تنکر باغ کوچہ فصیح جنگ مرحوم حیدر آباد دکن،

امیر مینائی کی کئی سوانحمریان لکھی جاچکی ہین، یہ نئی سوانحمری ان کے ایک شاگرد اور عزیز جناب شاہ ممتاز علی آہ مرحوم امیٹھوی نے لکھی تھی، لیکن اسکی اشاعت کی نوبت مؤلف کی وفات کے بعد آئی، یہ سوانحمری دوسری سوانحمریوں کے مقابلہ مین زیادہ جامع اور مفصل ہے، امیر مرحوم اودھ کے ایک قدیم اور شریف خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے، اور لکھنؤ اور اس کے بعد رامپور کے دربارون سے انکا تعلق رہا تھا، اس لئے اس کتاب مین امیر کے حالات کے ضمن مین شرفاے اودھ کی معاشرت، لکھنؤ کے تمدن اس کے آداب و تہذیب، واجد علی شاہی دور کی ادبی محفلون، اُدبا و شعرائے رامپور کی علم نوازیون اور علمی صحبتون کے دلچسپ حالات بھی آگئے ہین، دوسرے حصہ مین امیر کی شاعری پر مختصر تبصرہ، ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، اس کے جوابات کلام کا انتخاب مختلف اصناف کے نمونے، دوسرے شعراء سے موازنہ اور امیر کی نثر پر تبصرہ ہے، جناب مؤلف خود صاحبِ نظر تھے، اس لئے کتاب مین شعر و ادب کے متعلق بہت سی مفید باتین ملجاتی ہین، کتاب کے شروع مین مولنا سید سلیمان ندوی، پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی اور مولنا عبداللہ عمادی کے قلم سے تعارف پیش نامے اور مقدمہ ہے، جناب شاہ محمد عبدالباری صاحب نے اس کتاب کو شائع کرکے اردو ادب مین ایک قابلِ قدر کتاب کا اضافہ کیا،

خرمنِ عشق از جناب شفیق جونپوری، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۶۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ:۔ مکتبہ ادبستان پانڈے حویلی بنارس،

طبقۂ شعراء مین جناب شفیق جونپوری کا نام بیگانہ نہین، وہ مولانا حسرت موہانی کے شاگرد رشید اور نئے شعراء مین پرانے طرز کے خوشگو شاعر ہین، ان کا کلام اس دور کی آزادیٔ ادب اور اس کے نقائص سے پاک ہے، زبان کی صحت و صفائی اور کلام کی پختگی مین قدیم شعراء کی جھلک نمایان ہے، گو انکی شاعری کی زمین پرانی ہے، لیکن اس مین نئے گل بوٹے بھی نظر آتے ہین، اور قدیم تغزل مین نئے خیالات کا بھی خاصہ اثر موجود ہے، کلام درد و تاثیر سے بھی خالی نہین، امید ہے کہ صاحبِ ذوق طبقہ مین ان کے دیوان کو حسنِ قبول حاصل ہوگا،

"م"

جلد ۴۹ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۲ء عدد ۴

مضامین